عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ

طلوعِ اسلام

بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی حسیت اجتماعیہ کا ماہوار مجلہ

طلوع اسلام

دہلی

دور جدید

مرتب
محمد عثمان

بدل اشتراک
پانچ روپیہ سالانہ 5/-
فی پرچہ ۸ ر

جلد (۱) شمارہ ۷

بابت ماہ شوال ۱۳۵۷ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۸ء

فہرست مضامین

۱۔ میلاد آدم	حضرت علامہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری	۲
۲۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا	جناب اسد صاحب ملتانی	۳
۳۔ لمعات	مدیر	۴-۱۶
۴۔ امارت شرعیہ اور وردا ردھا اسکیم	امارت شرعیہ صوبہ بہار	۱۷-۲۵
۵۔ قومیت متحدہ قرآن کی روشنی میں	مولانا سید محمد حسینی فاضل دیوبند	۲۶-۳۵
۶۔ ترجمان القرآن اور علماء دیوبند	از دیباچہ مشکلات القرآن مصنفہ علامہ سید انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ	۳۶-۴۰
۷۔ گہرہائے نایاب	علامہ اقبال رح کی غیر مطبوعہ رباعیات	۴۱
۸۔ فوجی بل اور ہندو ذہنیت	از ادارہ	۴۲-۴۸
۹۔ حقائق و عبر	از جناب رازی	۶۹-۸۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

مرکزِ ملت ← { لا الٰہ الا اللہ / محمد رسول اللہ } → مرکزِ ملت

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فی ما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما ٥

مرکزی فیصلوں کی اطاعت ہی ایمان،

یا ایہا الذین امنوا

اعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ،
اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوط پکڑو تمام لوگ اور اس سے علیحدہ مت ہو

استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم
مانو اللہ اور رسول کی جب وہ تمہیں اس بات کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی عطا کرتی ہو

یعنی

مرکز، مرکز کی اطاعت اور جماعت پیدا کرو

اس لیے کہ

جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں گیا
علیکم بالجماعۃ فانہ من شذ شذ فی النار
(فرمان رسولؐ)

جماعت کے بغیر اسلام کچھ نہیں!
لا اسلام الا بالجماعۃ
(قول حضرت عمرؓ)

(اقبال)

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ
با ہزاران چشم بودن یک نگاہ
بگذر از بے مرکزی پائندہ شو

میلادِ آدم

([illegible])

از تاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم

۱۔ نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

۲۔ خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل
حذر اے پردگیاں! پردہ درے پیدا شد

۳۔ فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور
خودگرے، خودشکنے، خودنگرے پیدا شد

۴۔ آرزو بے خبر از خویش بہ آغوشِ حیات
چشم وا کرد و جہانِ دگرے پیدا شد

۵۔ زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

(حضرت علامہ اقبالؒ)

۱۔ عشق چیخ اٹھا کہ اک خونیں جگر پیدا ہوا
حسن کانپ اٹھا کہ اک صاحب نظر پیدا ہوا

۲۔ پہنچی گردوں سے شبستانِ ازل میں یہ خبر
پردہ دارو! ہوشیار! اک پردہ در پیدا ہوا

۳۔ فطرت آشفتہ کہ خاکِ عالمِ مجبور سے
ایک خودگر، خودشکن اور خودنگر پیدا ہوا

۴۔ آرزو تھی زندگی کے گود میں سوئی ہوئی
آنکھ کھولی اک جہانِ خیر و شر پیدا ہوا

۵۔ زندگی بولی کہ تھی میں آب و گل میں مضطر
بارے آج اس گنبدِ بے در میں در پیدا ہوا

(ترجمہ حضرت مولانا اسلم صاحب مدظلہ)

اضافہ

۶۔ مسکرا کر یہ ملائک نے کہا ابلیس سے
لو تمہارا اک حریفِ تازہ تر پیدا ہوا

۷۔ چرخ سے آئی ندا اے ساکنانِ بحر و بر
اک جہاں آشوب، ظالم، فتنہ گر پیدا ہوا

۸۔ جس کی خاطر یہ زمین و آسماں چکر میں تھے
مادرِ فطرت کا وہ نورِ نظر پیدا ہوا

۹۔ تھا فضائے عالمِ ناسوت کا بربط خموش
آخر اس بے سازِ کن کا زخمہ ور پیدا ہوا

(مولانا اسلم جیراجپوری)

غازی مصطفیٰ کمال علیہ الرحمۃ

(اسد ملتانی)

آہی گیا وقوع میں آخر وہ حادثہ سوہانِ روح و قلب تھا جس کا خیال بھی

اسلامیوں کے حق میں قیامت ہے یہ وفات اس وقت جبکہ انمیں ہے قحط الرجال بھی

وہ مصطفیٰ کمال کہ جس کے وجود میں تھی ہیبتِ جلال تو شانِ جمال بھی

وقتِ جہاد غازیٔ باطل شکن بھی تھا امن و اماں میں قائدِ صاحب کمال بھی

ثابت کیا یہ قوم کو دے کر حیاتِ نو ہمت کرے کوئی تو ہے ممکن محال بھی

اے غم رسیدہ ملتِ اسلامیہ بتا اب تیرے پاس ہے کوئی اس کی مثال بھی؟

مرنے سے اسکے دل ہے سمرنا کا بھی دو نیم ہے دیدۂ پُر آب درہ دانیال بھی

منحوس تھا ہمارے لیے کسقدر یہ سال! اقبال بھی ہمارا گیا اور کمال بھی

تکیہ جو چاہیے تو اسی ذات پر اسدؔ
جو منبعِ کمال ہے اور لایزال بھی

لمعات

گزشتہ دسمبر نومبر میں عالم اسلامی کے لیے سب سے بڑا حادثہ سب سے بڑا اندوہناک واقعہ اور قلب و جگر کو افسردہ کرنے والا سب سے بڑا جانگسل صدمہ اتاترک غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی وفات تھی۔ ایسی وفات جس سے نہ صرف بیدار بخت اور نوجوان ترکوں پر غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے بلکہ تمام عالم اسلامی دفعۃً ماتکدہ بنگیا اور ان مسلمانوں کی شعاع اُمید بجھ کر رہ گئی جو اپنی غلامی اور محکومی میں مرحوم کمال پاشا کا نام سُنکر اپنے آپ کو اطمینان دے لیا کرتے تھے کہ ہندوستان میں نہیں تو ترکی میں وہ عظیم و جلیل ہستی موجود ہے جسنے اپنی تلوار خارا شگاف سے نہ صرف اپنے مُلک اور اپنی قوم کی عزت بچالی بلکہ تمام عالم اسلامی کی آبرو رکھ لی اور اپنے کارناموں سے دُنیا کو مسلمانوں کی زندگی، اسلام کی بقا کا یقین دلا دیا!

غازی کمال پاشا مدت مدید سے جگر کی جاں ستاں بیماری میں مبتلا تھے۔ جب تک جسم میں حرارت اور قوت باقی رہی بیماری سر نہ اٹھا سکی، مگر رفتہ رفتہ قوت نے جواب دیا اور بیماری کے ایک ہی حملے نے انکو اس دُنیا سے اُس دُنیا میں پہونچا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ہندوستان میں علامہ اقبال قرآن کریم کے مزاج شناس تھے اور ہندوستان سے باہر غازی کمال پاشا اسلامی قوت و سطوت کے نمائندہ تھے۔ اوّل الذکر کی وفات سے اسلام کے ایمانی و اعتقادی نظام میں تزلزل پیدا ہوگیا اور ثانی الذکر کے ارتحال نے اسلام کی قوت و فرمانروائی کے ایک روشن نمونہ کو ہم سے چھین لیا۔ مسلمانوں کو کیا خبر تھی کہ انہیں چند ہی دنوں میں یہ دو المناک حادثے برداشت کرنے پڑیں گے اور انہیں اپنے دلِ دردمند اور زبانِ ماتم سرا کو اقبالؒ و کمالؒ کے لیے وقف کرنا پڑے گا!

کمال پاشا دورِ حاضرہ میں تاریخی عظمت کے مالک تھے جو اپنے بے شمار کارنامے تاریخ کے سپرد کر گئے

وہ سپہ سالار تھے۔ فاتح اعظم تھے۔ ترکی جمہوریت کے صدر تھے اور ایک سچے پکا مسلمان تھے یہ آخری چیز یعنی انکا سچا مجاہد ہونا یورپ اور استعماری قوتوں کے لیے سوہان رُوح بنا ہوا تھا۔ یہ ایسا رشتہ تھا جو الغائے خلافت کے بعد بھی عالم اسلامی کے لیے عقیدت کی بجبہ گاہ بنا رہا اور اس رشتہ کو منقطع کرنے کے لیے تمام دُنیا میں اُن کے الحاد و دہریت کا ڈھول پیٹا گیا تھا۔ اللہ اکبر! یورپ کا پروپیگنڈہ، اور وہ بھی ایک مجاہد کے خلاف! نتیجہ یہ ہوا کہ خود مسلمانوں کو یقین آچلا کہ غازی موصوف اسلام سے اپنا رشتہ منقطع کر چکے ہیں حالانکہ اُن کے مفروضہ الحاد اور انحراف عن الاسلام کا زبردست پروپیگنڈہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ غازی کمال پاشا ایک سچے مسلمان ایک مجاہد مسلمان اور اسلام کے ایک سچے خادم تھے ورنہ یورپ کو کیا غرض پڑی تھی کہ وہ ایک "بے دین" کی بے دینی کو اس زور و قوت سے مشتہر کریں اور اسلام کا انکار اُسکی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر دے۔ بالشویک روس نے خدا کا انکار کیا اور اسکا اظہار بھی کر دیا: اگر غازی مغفور بھی دہریت کے دلدادہ اور اسلام سے متنفر ہو چکے تھے تو اُس کے اظہار اور اعلان میں اُن کو کس مفتی اعظم، کس تلوار اور کس قوت کا ڈر تھا؟

غازی مغفور پر بیماری کے دورے پڑ رہے تھے۔ ڈاکٹر زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر توفیق رشدی آراس فرطِ غم سے اشکبار تھے کہ غازی نے آنکھیں کھولکر فرمایا

"میں راضی برضائے مولا ہوں۔ اگر خدا کو مجھ سے کام لینا منظور ہے اور ملت اسلامیکی خدمت کرنا میری قسمت میں ہے تو میں ہر گز نہیں مرونگا، اور اگر میرا وقت آگیا ہے تو میں بخوشی اس کا استقبال کرتا ہوں اگر میں مرجاؤں تو دنیائے اسلام کو میرا پیغام پہونچا دینا کہ زندگی حرکت کا نام ہے اگر مسلمانوں کو زندہ رہنا ہے تو رسول عربی کے نقش قدم پر چلیں"

یہ اُس خادم کا بیان ہے جو ہر وقت غازی مغفور کے پاس رہتا تھا اور جس کو اخبار البلاد نے شائع کیا ہے۔ اگر یہ دہری الحاد ہے جسکی تشہیر یورپ کا مقدس فریضہ رہا ہے تو اسی کا دوسرا نام اسلام ہے۔

غازی موصوف کی ولادت ۱۸۸۰ء میں سلانیک میں ہوئی تھی۔ انکے والد یونانی شہر لاریسا کے ایک

تجارت پیشہ خاندان سے تھے جو انکے بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ اس کے بعد یہ اپنے ماموں کے پاس رہے جو کاشتکار تھے کچھ دنوں کے بعد مدرسہ رشدیہ عسکری میں نام لکھوایا۔ اسکے نصاب سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مدرسہ ارکانِ حرب میں بھیجدیئے گئے۔ جہاں سے ۱۹۰۴ء میں یوزباشی کی سند حاصل کی۔

مزاج میں حریت تھی۔ سلطان عبدالحمید کے استبداد کی شدت کے ساتھ مخالفت کرتے تھے اسوجہ سے ایک بار چند مہینے قید میں بھی رہنا پڑا۔ پھر وطن سے دور دمشق میں اپنے عہدہ پر بھیجدیئے گئے۔ بسنہ ۱۳۲۸ھ میں جب وقت محمود شوکت پاشا نے سلطان عبدالحمید کو قسطنطنیہ میں تخت سے اتارا اسوقت یہ ادرنہ میں تھے اور وہاں سے اپنی فوج لے کر پاشائے موصوف کی حمایت کے لیے آئے تھے

سنہ ۱۳۳۰ھ میں جنگ طرابلس میں بھیس بدلکر مصر کی راہ سے بنی غازی پہونچے۔ وہاں اطالیہ کے مقابلہ کے لیے عربوں کی فوج مرتب کی اور ایک عرصہ تک جہاد میں شریک رہے۔

جنگ عمومی میں درہ دانیال کی مدافعت انکے سپرد تھی جو سب سے اہم جنگی نقطہ تھا۔ یہاں اتحادی بیڑہ کو ہمیشہ نقصان دیکر پسپا کرتے رہے جسکے صلہ میں امیرلوا اور پاشا کے لقب سے ممتاز ہوئے۔

۱۹۱۸ء میں معاہدہ سیورے میں جب اتحادیوں نے ترکی سلطنت کے "مرد بیمار" پر موت کا فتویٰ صادر کیا۔ اور اُن کی فوجوں نے قسطنطنیہ میں آکر حکومت کے صیغوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اسوقت اپنی قومی سلطنت کو فنا ہوتے ہوئے دیکھ کر غازی موصوف کے دل پر چوٹ لگی۔ فوراً اناطولیہ پہونچکر ترکوں کی عصبیت کو اُبھارا اور حزب وطنی قایم کی جس کی مدد سے ستمبر ۱۹۲۲ء میں یونانیوں کو جو انگریزوں کی امداد سے سمرنا پر قبضہ کرکے اناطولیہ کے بڑے حصہ پر قابض ہو چکے تھے ایسی زبردست شکست دی جو تاریخ میں قیامت تک یادگار رہے گی۔ اس عظیم الشان فتح سے مری ہوئی اور حصوں میں بٹی ہوئی ترکی سلطنت نئے سرے سے زندہ ہو گئی۔ اور ترکوں کا مٹا ہوا وقار پھر واپس ملگیا۔ وہ جملہ مراعات جو دول یورپ کو ترکی میں حاصل تھیں جن کے بوجھ سے وہ سر نہیں اٹھا سکتی تھیں یک قلم منسوخ ہوئیں اور ترک ایسے آزاد ہو گئے جیسے کہ اپنے عروج کے زمانہ میں تھے۔ سلطنت کو جمہوری کرکے مصطفےٰ کمال نے اس کے ان تمام امراض کا

بھی علاج کیا جو اس کی ہلاکت کا موجب ہوئے تھے۔ امراء کی غداریوں اور اُنکے مظالم واستبداد کو، علماء کی مذہبی مکاریوں اور احمقانہ تعصبات کو، صوفیوں اور درویشوں کی ریاکاریوں اور مفت خواریوں کو عوام الناس کی جہالتوں اور توہم پرستیوں کو مٹا کر تمام قوم کو علم و عمل کے صحیح راستہ پر لگایا جس کی بدولت آج ترکی سلطنت اقتصادی، علمی، فوجی اور ہر لحاظ سے ترقی کی منزلیں طے کرتی جا رہی ہے یہ خدمات صرف ترکی کی نہیں ہیں۔ بلکہ تمام عالم اسلامی کی ہیں اسلیئے اُنکی ذات نہ صرف ترکوں کے لیے بلکہ دُنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ایک عظیم الشان خداداد نعمت تھی جو صدیوں کے بعد ملی تھی۔ آنے والے مؤرخ جب اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تاریخ لکھنے بیٹھیں گے اسوقت غازی موصوف کی صحیح قدر پہچان سکیں گے کہ اُن کی بدولت مسلمانوں میں کیا انقلاب عظیم پیدا ہوا جسنے موت سے انکا رُخ زندگی کیطرف پھیر دیا۔ اللہ اُن کی مغفرت کرے اُن کی تاریخ وفات بھی "المغفور" ہے

جرمنی میں یہودیوں کے خلاف جو بلوے اور مظاہرے ہوئے اُسپر "معصوم" انگلستان میں بھی نفرت کا اظہار کیا گیا ہے! حالانکہ اس معاملہ میں جرمنی اور انگلستان کا پلہ تقریبًا برابر ہے اگر مہذب ہیں تو دونوں ہیں، وحشت و بربریت کے پیکر ہیں تو دونوں ہیں جرمنی میں یہودیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا ہے اور فلسطین میں انگریز کے ہاتھوں عربوں کا قتل عام ہو رہا ہے اسپر لطف یہ ہے کہ اپنی اپنی جگہ دونوں تہذیب کے اُستاد خود کو معصوم تصور کر رہے ہیں۔ ہزاروں بے گناہ انسانوں کا خون پانی کی طرح بہہ جائے۔ مگر یورپ کی ملعون تہذیب پر کوئی داغ نہیں پڑتا۔ اور داغ پڑے کیونکر؟ جس چیز کو مشرق میں داغ کہا جاتا ہے وہ تو یورپ کے نزدیک حسن کی گلکاری اور تہذیب کا نقش و نگار ہے بہر حال جرمنی میں یہودیوں کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اپنے آپکو دُہرا رہی ہے، یہودی قوم دُنیا میں سب سے زیادہ سرمایہ دار قوم ہے۔ مگر سب سے زیادہ ذلیل و خوار بھی وہی ہے یہ بدبخت قوم اپنی سیہ کاریوں کے باعث خدا کی رحمت سے محروم ہو چکی ہے۔ بابل کی اسیری اس کی قسمت میں لکھی تھی ہیکل سلیمان کی تباہی دراصل خود اس کی تباہی تھی اور آج تک یہ قوم اسی ذلت و خواری میں زندگی

بسر کر رہی ہے قرآن کریم کا دعویٰ کس قدر حرف بحرف صحیح ثابت ہوتا جا رہا ہے جسنے فرمایا تھا۔

ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباءو بغضب من اللہ

تاہم جرمنی میں یہودیوں کے خلاف جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے وہ انتہائی ظالمانہ۔ انسانیت سوز اور وحشیانہ ہے اور اتنا دردانگیز ہے کہ انسان کا قلب اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ انگلستان میں جب اسکے خلاف اظہار نفرت و ملامت کیا گیا تو جرمنی اخبارات اسکے جواب میں فرماتے ہیں چپ رہو! اس حمام میں ہم اور تم دونوں ہی ننگے ہیں یعنی ارشاد ہوتا ہے۔

"یہودیوں کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے اُسے انسانیت سوز قرار دینے والوں سے دریافت کیجیے کہ برطانوی تہذیب کے نام پر فلسطین کے عربوں کا قتل عام اور اُن کی آبادیوں کو ویران بنا دینا کیا عین تقاضائے انسانیت ہے؟ (اسٹیمین ۱۲ نومبر ۱۹۳۸ء)

اس بات کا کہ جرمنی میں یہودیوں کے خلاف جو ہلوے ہوئے اُنپر برطانی پارلیمنٹ میں بحث ہوگی، یہ پُرلطف جواب دیا گیا ہے کہ:-

"اگر برطانیہ نے اس مسئلہ پر بحث کی تو پھر جرمن پارلیمنٹ میں اس برطانی پالیسی پر بحث ہوگی جو اُسنے فلسطین میں اختیار کر رکھی ہے" (ایضاً)

گو جرمنی اخبارات کا یہ جواب ہماری نظر میں کوئی وقعت نہ رکھتا ہو مگر پوچھیے برطانیہ سے کہ اسکے زخم پر اس جواب نے کیسے چرکے لگائے ہیں! جرمنی اگر یہودیوں کے خلاف اقدام کر رہا ہے تو برطانیہ یہودیوں کی خاطر عربوں کا قتل عام کر رہی ہے مجرم دونوں ہیں۔ بھلا انگلستان کو زبان کھولنے کا کیا حق اور برطانیہ کو انسانیت کی ہمدردی میں آنسو بہانے سے کیا حاصل؟ ہمارے نزدیک چونکہ دونوں مجرم ہیں، دونوں ظالم ہیں دونوں دشمن انسانیت ہیں۔ اسلیئے عربوں کے قتل عام کے باعث جہاں برطانیہ مستحق لعنت و ملامت ہے وہاں یہودیوں کی تباہی کی بنا پر جرمنی بھی لعنت و نفرین کا مستحق ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ ان دونوں قوتوں پر خدا کا غضب بھڑکے گا اور قدرت ان سے کسی نہ کسی طرح

انتقام لے گی۔

کون کہتا ہے کہ مسلمان فنا ہو جائیں گے؟ اسلام کی تباہی کا مرثیہ پڑھنے والوں کو فلسطین کے مجاہد عربوں نے اپنا خون بہا کر موثر جواب دیدیا ہے۔ اللہ اکبر! اس گئے گزرے زمانہ میں کس کو خیال ہو سکتا تھا کہ امت اسلامیہ کا ایک حصہ دنیا کی سب سے بڑی قوت کو یوں چیلنج دیگا اور برطانیہ کا سر غرور نہتے اور بے بس عربوں کے ہاتھوں نیچا ہوگا! مشہور تو یہ ہے کہ تاریخ اپنے آپکو دہراتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ تاریخ ابھی بہت کچھ اضافہ کی محتاج ہے۔ فلسطین کے مجاہد عرب جس نوعیت کے ساتھ سروں کو ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان میں نکلے ہیں اور جس انداز میں انہوں نے برطانی عسکری قوت کا ردعمل کیا ہے، اس کی نظیر گزشتہ تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے!

ایک طرف عربوں کی زمین کو یہودیوں کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ عربوں کے قتل عام کے لیے یہودیوں کو مسلح کر دیا گیا ہے۔ عربوں کے تاریخی شہروں اور آبادیوں کو ڈائنامیٹ سے اڑا کر قیامت کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔ سینکڑوں مجاہدین کو پھانسی کے تختوں پر لٹکایا جا رہا ہے، ہوائی جہازوں سے غیر مصافی آبادی پر بمباری کیجا رہی ہے اور دوسری طرف مجاہدین کے چہروں پر مسکراہٹ ہے، انکا عزم ہے۔ استقلال ہے۔ صبر مجاہدہ ہے اور صرف اللہ پر توکل۔ مجاہدوں کے سردار سید عارف عبدالرزاق نے صدر انجمن خواتین مصر کے نام جو مکتوب ارسال کیا ہے، اسکا یہ فقرہ اسلامی عزیمت کا کتنا روشن ثبوت ہے کہ:۔

"ہم نے اللہ کے توکل پر تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ اب یا تو ہم کامیاب ہونگے یا ایک ایک کر کے ختم ہو جائیں گے میں خوشخبری سناتا ہوں کہ ارض مقدس اپنی پہلی عظمت کو دوبارہ حاصل کریگا اور دوبارہ اسکے باشندے آزاد ہو کر رہیں گے!"

(اخبار البلاغ)

برطانی حکومت جو ضد اور اقتدار کی پیکر ہے اس نے صرف اتنا کیا کہ فلسطین کو تقسیم کرنیکے ظالمانہ عمل سے ہاتھ اٹھا لیا، اب وہ جو کچھ کرے گی اسکا انحصار مجاہدین کی حرکت پر ہے اور اس ایمان اور ایقانی قوت

جنے کسی وقت اکاسرہ وقیاصرہ کے ایوانوں کو تسزلزل کردیا تھا۔

گاندھی جی کا سرحدی دَورہ اور وہ بھی دوسری بار جرأت آمیز اور حیرت انگیز بھی ہے اور قابل ہمدردی بھی۔ پہلی بار اہنسا کے اس دیوتا کی جو پرستش صوبۂ سرحد میں ہوئی۔ دوسری بار اس کا اعادہ نہ ہوسکا اور انہوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے دَورہ کو ختم فرمایا!

سوال یہ ہے کہ گاندھی جی "خونخوار" پٹھانوں سے اتنا ربط کیوں پیدا کر رہے ہیں۔ اور سرحد کا بار بار طواف کرکے پٹھان دوستی کا ثبوت کیوں مہیا فرما رہے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ ان کو اس بات کا تعین نہیں ہے کہ قومی حکومت، پٹھانوں کے حملوں سے محفوظ رہے گی۔ اسلیئے وہ سرحد کا طواف کرکے اہنسا کی برف کی سلوں سے پٹھانوں کے خونِ گرم کی حرارت سلب کرلینا چاہتے ہیں تاکہ قومی حکومت کے قیام تک سرحدی پٹھان ولولۂ جہاد سے تہی قلب ہوکر اہنسا کی دیوی کے سامنے سرنگوں ہوجائیں اور گاندھی اینڈ کمپنی مطمئن ہوکر ہندوستان میں ہندو راج قایم کرلے۔

سرحد کا پٹھان اگر حقیقت میں مسلمان ہے، تو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اہنسا اور عدم تشدد کے فلسفہ کا قائل نہیں ہوسکتا اہنسا اُنکے حق میں خودکشی اور گاندھی جی کے نزدیک شدھی کے مرادف ہے۔ اعاذنا اللہ منھا۔ طلوع اسلام میں اس "یاترا" کے متعلق قریب فرصت میں تفصیل سے لکھا جائیگا۔ انشاءاللہ۔

جو حضرات مسلم قومیت پرست جرائد اور رسائل کا مطالعہ فرماتے ہیں انہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ وہ لوگ جو اس سے پہلے پکے کانگرسی تھے۔ اور ہندوؤں کی ذہنیت کے خلاف ایک حرفِ شکایت سننے کے متحمل نہیں ہوا کرتے تھے۔ انکی اب خود یہ حالت ہے کہ کانگرس سے مایوس، ہندو ذہنیت سے بیزار اور اسکے سرکردہ لیڈروں کے طرزِعمل سے متنفر ہورہے ہیں کہیں کانگرس پر بہ حیثیت مجموعی ان الفاظ میں تبصرہ ہو رہا ہے کہ:-

> اب رہی کانگرس۔ سو موجودہ صورتِ حالات پر نظر کرتے ہوئے انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس جماعت کی ہندو اکثریت بھی درپردہ مہاسبھائی ذہنیت سے آلودہ نظر

نظر آرہی ہے"۔ (کلیم ۔ نومبر ۱۹۳۸ء)

کہیں زبان کے مسئلہ پر ہندو ذہنیت سے تنگ آکر لکھا جاتا ہے کہ ۔

"لیکن سمپورنانند صاحب اور زبان کے مسئلہ میں انکے پشت و پناہ مہاتما گاندھی ۔ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ اب زیادہ دن تک دھوکا نہیں دے سکتے اور اب سب کے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ وہ ملک میں مرحومہ سنسکرت کو اس کی قبر سے کھود کر نکالنا چاہتے ہیں"

(کلیم نومبر ۱۹۳۸ء)

یہاں تک بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ :-

"اصل یہ ہے کہ گاندھی جی نے اپنے دماغ میں ہندوستان کے آئندہ نظام کا جو خاکہ تیار کر لیا ہے وہ انہیں مسلمانوں کی اس قسم کی شکایات کے ازالہ کیطرف متوجہ نہیں ہونے دیتا"

(مدینہ ۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۸ء)

یہ اقتباسات یونہی مثال کے طور پر درج کر دیئے گئے ہیں ورنہ آجکل تو یہ رسائل و اخبارات بالعموم اسی روش پر آگئے ہیں جو اس سے پیشتر ٹوڈیوں اور رجعت پسندوں کی روش قرار دی جاتی تھی ۔ بایں ہمہ چونکہ یہ حضرات ایک عرصہ سے مسلمانوں کو شمولیت کانگرس کی دعوت دیتے آرہے ہیں اسلیئے اس نظریہ سے پیچھے ہٹ جانے میں ابھی ذرا جھجک سی محسوس کرتے ہیں چنانچہ سب کچھ لکھنے کے بعد مسلمانوں کو مشورہ یہ دیتے ہیں کہ ہندوؤں کی اس تنگ نظری کا علاج یہ ہے کہ تم جوق در جوق اور کارروان کارواں کانگرس میں شامل ہو کر اس پر چھا جاؤ ۔ ہندو خود بخود دب جائے گا ہمیں اس طریق علاج پر حیرت بھی آتی ہے اور ہنسی بھی یعنی ان حضرات کا خیال ہے کہ ۹ کروڑ آبادی والا اسلام جب جوق در جوق کانگرس میں شریک ہونا شروع ہو جائے گا تو ۲۳ کروڑ والا ہندو چپکے بیٹھا دیکھتا رہے گا اور جب کانگرس میں مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی تو سب کچھ انکے حوالے کر کے خود انکا سیوک بنجائیگا اور اپنی ذہنیت بدلنے پر مجبور ہو جائے گا ۔

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

ہم ان حضرات سے گزارش کرینگے کہ جب اللہ نے انکی نگاہ میں اتنی بصیرت پیدا کر دی ہے کہ وہ ہندوؤں

کے منصوبوں سے باخبر ہونے لگ گئے ہیں تو اپنے اندر اتنی جرأت بھی پیدا کریں کہ اپنے مسلک کی غلطی کا اعتراف کرلیں۔ انکشافِ حقیقت کے بعد غلطی کا اعتراف عزت کو بڑھاتا ہے۔ کم نہیں کرتا۔ یہ نفسِ دسیسہ کار کا فریب ہے جو ایسے وقت میں یہ صلاح دیتا ہے کہ اپنی بات پر اڑے رہو ورنہ بڑی سُبکی ہوگی۔ جتنی جلدی یہ حضرات اپنے اندر یہ جرأت پیدا کرلیں اتنا ہی ان کے لیے اور قوم کے لیے اچھا ہے، ورنہ مسلمان کا کانگرس میں کارواں در کارواں شریک ہونا تو ایک طرف، واقعات کی رفتار تو بتارہی ہے کہ خود انکے الفاظ میں :-

"اگر یہی لیل و نہار ہے تو اندیشہ ہے اور سخت اندیشہ کہ کانگرس میں تازہ مسلمانوں کا داخلہ ترکیا پُرانے کانگرسی مسلمان بھی کانگرس سے باہر آجانے پر مجبور ہوجائیں گے"۔ (کلیم نومبر ۳۷ء)

قضیۂ امامت مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق اگرچہ ہمیں بہت سے استفسارات موصول ہوئے لیکن ہم نے قصداً اسکے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اس لئے کہ اس مسئلہ پر اگر اصولی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو یہ اتنا مختصر سا مسئلہ نہیں رہ جاتا جتنا بظاہر نظر آتا ہے۔ اسکے ضمن میں امامت و سیاست سے متعلق اس قدر گوناگوں مباحث آجاتے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک عنوان بجائے خویش ایک موضوع بنجاتا ہے جس پر کتاب و سنت اور تاریخ و آثار کی روشنی میں اگر کچھ لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے جسکے لئے نہ سردست وقت ہے نہ گنجائش لیکن کلکتہ کی نماز عید نے ایک ایسی حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ جسکا اجمالی تذکرہ ناگزیر ہوگیا ہے۔ نو سیت پرست مسلم حضرات کا یہ عام مسلک ہوچکا ہے کہ جہاں کسی جماعت نے ان کی کسی روش کی مخالفت کی تو انہوں نے شور مچانا شروع کردیا کہ یہ چند فتنہ پرداز مفسد لوگوں کی شرارت ہے جو کسی گنتی شمار میں نہیں ہیں۔ ورنہ ملتِ اسلامیہ تو ہمارے ساتھ ہے۔ یہی طریق عمل انہوں نے قضیۂ امامت میں بھی اختیار کیا اور عام مشہور کردیا کہ کلکتہ کے چند شوریدہ سر لوگوں نے خواہ مخواہ ایک شاخسانہ کھڑا کردیا ہے ورنہ مسلمانوں کی اکثریت مولانا آزاد کی امامت کے حق میں ہے۔ مسئلہ امامت کے دوسرے گوشوں سے کسی کو اختلاف ہو تو ہو۔ لیکن یہ امر تو مسلمہ ہے کہ جماعت کا امام وہی ہوسکتا ہے جس کی امامت پر جماعت رضا مند ہو۔ عید کے دن یہ معاملہ یوں نکھر کر سامنے آگیا کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ قریب ڈیڑھ لاکھ مسلمان اس میدان میں جمع ہوئے جہاں مولانا آزاد کی امامت کی مخالفت کرنے والوں نے نماز پڑھی۔ اور صرف دس[1] ہزار کے قریب اس مقام پر جمع

---

[1] یہ تعداد ایسوسی ایٹڈ پریس نے لکھی ہے۔ لیکن ہمیں کلکتہ سے جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں انمیں زیادہ سے زیادہ تعداد آٹھ سو کے قریب بتائی گئی ہے۔

ہوئے، یہاں مولانا کے مؤیدین نے نماز ادا کی۔ اب اس سے اندازہ فرما لیجیے کہ جماعت کی اکثریت مولانا صاحب کی امامت کی حامی تھی یا مخالف۔ اور قومیت پرست حضرات کا یہ پروپیگنڈا کہ یہ فتنہ محض چند مفسدین نے برپا کر رکھا ہے کس قدر صداقت پر مبنی تھا!

یہ واقعہ جہاں مولانا آزاد کے لئے عبرت و موعظت کے ہزار سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہاں کانگرسی ہندوؤں کو بھی اس سے بہت کچھ سبق حاصل ہو سکتا ہے وہ ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بہترین نمائندے اور صحیح نمائندے اُنکے ساتھ ہیں۔ مولانا آزاد ان "صحیح نمائندگان" کے سرخیل ہیں جو ہندوؤں کے ہمنوا ہیں آپ خود ہی موازنہ فرما لیجیے کہ مسلمانوں کے صحیح نمائندہ مولانا صاحب ہیں یا وہ جماعت جسکے ساتھ ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کی جمعیت تھی کانگرسی ہندو ہمیشہ انگریزوں کو طعنہ دیا کرتے ہیں کہ گورنمنٹ گول میز کانفرنس وغیرہ میں ان لوگوں کو ہندوستانیوں کا نمائندہ بنا کر لے جاتی ہے جنکے پیچھے ہندوستانیوں کی اکثریت نہیں ہوتی اگر وہ لوگ جنکے پیچھے ملک کی اکثریت نہیں ہوتی ملک کے صحیح ترجمان نہیں ہو سکتے تو وہ مسلمان جنکے پیچھے مسلمانوں کی اکثریت نہیں ہے وہ کیسے مسلمانوں کے صحیح نمائندہ ہو سکتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار

واقعہ نماز عید میں سب سے زیادہ دلخراش اور جگر سوز حصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے اپنی نماز الگ جا کر پڑھی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب مولانا آزاد خود ہی امامت سے دست بردار ہو گئے تھے تو بات صاف ہو چکی تھی۔ اسکے بعد پھر یہ دوسری جگہ الگ نماز کیوں!!

اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح مولانا آزاد سے سیاسی اختلاف رکھنے والے مسلمان ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا نہیں چاہتے تھے اسی طرح اُن کے ہم مسلک مسلمان اس جماعت کے ساتھ ملکر نماز نہیں پڑھنا چاہتے تھے جو مولانا صاحب کی امامت کی مخالفت کر رہی تھی تو ہم اتنا دریافت کریں گے کہ قومیت پرست حضرات نے سیاسی اختلاف کی بنا پر مولانا آزاد کی امامت کی مخالفت کرنے والی جماعت کیجس طرح ہدف سب و شتم بنا رکھا تھا کیا اب انصاف کا تقاضا نہیں کہ وہ اپنی پارٹی کو بھی مطعون کریں کہ اُنہوں نے بھی وہی گناہ کیا ہے جو اُنکے مخالفین کر رہے تھے۔

اگر یہ کچھ مولانا آزاد کی مرضی سے ہوا ہے تو اس "مسجد ضرار" کی تعمیر پر جس قدر بھی خون کے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ اور اگر اُن کی مرضی کے خلاف ہوا ہے تو حیرت ہے کہ انکا اپنے متبعین پر اتنا اثر بھی نہیں ہے

کہ وہ انہیں اس حرکت سے روک سکتے!

طلوع اسلام کے اجراء کے وقت سے آج تک ہم اسی کشمکش میں گرفتار ہیں کہ

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب

وقت کی نزاکت، واقعات کی اہمیت، زمانہ کی برق رفتاری۔ اور اسکے ساتھ قارئین کا اصرار پیہم اس امر کا تقاضی رہتا ہے کہ وہ سیاسی مباحث جنکا تعلق ملت اسلامیہ کی عملی زندگی سے ہے اور جن سے غفلت برتنا گویا قومی خودکشی کرنا ہے بہ تمام و کمال طلوع اسلام کے صفحات پر لائے جائیں اور قرآن کریم کی روشنی میں مسلمانوں کی صحیح راہ نمائی کیجائے۔ دوسری طرف ایک ماہوار مجلہ اور اسکے محدود صفحات اس چیز کی اجازت نہیں دیتے کہ ان اہم امور پر شرح وبسط سے لکھا جاسکے۔ چہ جائیکہ ان علمی مضامین کو شائع کیا جائے جن کی اشاعت رسالہ کے اجراء کے وقت پیش نظر تھی اور جن میں سے اکثر و بیشتر ایک عرصہ سے لکھے رکھے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ ایسے وقت میں ہونا تو یہی چاہیے کہ

جو ہو چمن میں دفتر گل کا تو اور دامن دراز ہو جا

لیکن پاؤں چادر کے مطابق ہی پھیلائے جائیں تو اچھا ہے ورنہ احباب کا تو ابھی سے یہ تقاضا ہے کہ پرچہ کو ہفت روزہ کر دینا چاہیے۔ بہرحال نتیجہ اس کشمکش کا یہ ہے کہ جہاں ہر ماہ کئی اہم سیاسی مباحث کا تذکرہ مجبوراً چھوڑ دینا پڑتا ہے وہاں ایسے مضامین کی اشاعت بھی روک دینی پڑتی ہے جو مسلسل شائع ہو رہے ہیں، آپ اندازہ نہیں فرما سکتے کہ ہمیں بالخصوص معارف القرآن کی قسط کس طرح چھاتی پر پتھر رکھ کر روکنی پڑتی ہے۔ جسکے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ رسالہ کا پہلا سال تو اس کش مکش میں گزر جانے دیجیے۔ انشاء اللہ دوسرے سال میں قدم رکھتے وقت ہم پورا پورا اندازہ کر سکیں گے کہ "دفتر گل" اور "دراز دامانی" میں صحیح تناسب کیا ہونا چاہیے۔

طلوع اسلام بعونہ تعالیٰ نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ اور خدا کے مخلص بندوں کی وہ جماعت جسنے اسکا خسارہ پورا کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ نہایت خندہ پیشانی اور ثابت قدمی سے حوصلہ دلاتی ہے کہ

اسے جتنا بڑھنا چاہیے۔ بڑھتا جائے، ہم انشاء اللہ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے اور ان کے ارادوں میں استقامت اور برکات عطا فرمائے لیکن مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ایک متعینہ پیمانہ کے مطابق ہی آگے بڑھیں۔ ورنہ

ہم کسی کو کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے!

بہرحال۔ اللہ تعالےٰ کی عنایات شاملِ حال رہیں تو طلوعِ اسلام کا ہر قدم آگے ہی بڑھے گا۔ اور یوں رفتہ رفتہ یہ اس مقام تک پہنچ جائے گا۔ جہاں اسے دیکھنے کے لئے آنکھیں متمنی ہیں وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ علیہ توکلت والیہ انیب۔

کمالُ اتاترک

(از حضرت اخگر مرادآبادی)

جب قوم کی عزت کا سوال آ ہی گیا　　اسلامی حمیت کو جلال آ ہی گیا

ترکوں کے کمالات دکھانے کیلئے　　دنیا میں اتاترک کمال آ ہی گیا

پرچہ پریس میں جا چکا تھا کہ ناگاہ مجاہد ملت، خالدِ اسلام، شیر بیشۂ حریت و بسالت ضیغم نیستانِ شجاعت و جسارت۔ حضرت مولانا شوکت علی اعلی اللہ مقامہ کے انتقال کی خبر وحشت اثر موصول ہوئی! ملتِ اسلامیہ کی آستینیں ہنوز علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے غم کے آنسوؤں سے خشک نہ ہونے پائی تھیں کہ غازی کمال اتاترک رحمۃ اللہ علیہ کی بے وقت موت کی اطلاع ملی۔ اور ابھی ان کے ماتم میں آنکھوں کو خونابہ فشانی سے سکون نہ حاصل ہوا تھا کہ یہ قیامت خیز حادثہ فاجعہ مسلمانوں کے سر پر ٹوٹ پڑا۔ اس وقت کہ دلِ حزیں کے ٹکڑے ہو رہے ہیں۔ جگر خون ہو کر آنکھوں کے راستے بہہ رہا ہے، افکار منتشر ہیں، دماغ پریشان ہے ہم نہیں سمجھتے کہ کن الفاظ میں اس حدیثِ الم کا ذکر کریں۔ شبِ تاریک۔ موجِ بیم۔ اور گرداب فنا ایکطرف، اور کشتیٔ ملت کے تجربہ کار ناخداؤں کا یکے بعد دیگرے یوں ایک ایک کر کے ہم سے چھن جانا۔ دوسری طرف

غالب دگر مپرس کہ برما چہ بگذرد

ہندوستان میں سب سے پہلی منظم سیاسی تحریک۔ تحریکِ خلافت تھی۔ اور وہی ایک ایسی تحریک تھی جس نے مسلمانوں کے تمام قلوبِ درد آشنا بلا تشتت و افتراق۔ اور بلا انتشار و اختلاف۔ ایک مقصد مشترکہ اور ایک نصب العین متحدہ کے ماتحت شریک تھے۔ ایسی منظم۔ اور متحد تحریک کی کامیابی ہندوستان کی تاریخ آزادی میں درخشندہ حروف سے لکھی جانے کے قابل ہے اور اسکا سہرا مجاہد مرحوم کے ہی سر ہے۔ پہلا بعد۔ اور اس سے بیشتر اسلام کے اس سچے جانباز سپاہی نے جس گرمجوشی۔ صداقت۔ استقلال، جوانہمتی اور عزم و خلوص کے ساتھ ملت اسلامیہ کی گراں بہا خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کی صحیح صحیح قدر آنے والی اسلامی نسلیں ہی کر سکیں گی۔ دو لفظوں میں یوں کہیے کہ مولانائے مرحوم اسلام کے ایک ایسے سچے جانفروش جرنیل تھے۔ جن کی زندگی بھی میدان جہاد میں بسر ہوئی اور جن کی موت بھی صف جنگاہ میں ہوئی۔ اللہ تعالےٰ اس مرد مجاہد کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ اور امتِ مرحومہ کی بیکسی پر ترس کھا کر کوئی ایسا مردِ حق آگاہ پیدا کرے جو اس خستہ فوج کی عسکری قیادت کر سکے۔ آمین

امارتِ شرعیہ بہار اور واردھا اسکیم

(واردھا کی تعلیمی اسکیم جو اوّل سے آخر تک گاندھی جی کے دماغ کی اختراع اور جامعہ ملیہ کے محترم امیر کی کاوشوں کا نتیجہ ہے مسلمانوں کے لیے جس قدر تباہ کن ہے اُس کا احساس ابتدا میں بہت کم لوگوں کو ہوا، خدا کا شکر ہے کہ "طلوعِ اسلام" نے سب سے پہلے اُس کے بنیادی اور تخریبی اصولوں پر نہایت شرح وسط کے ساتھ تنقیدی نگاہ ڈالی اور اسکے ترکیبی عناصر کو تحلیل کرکے دلائل اور واقعات کی روشنی میں بتا دیا کہ یہ تعلیمی اسکیم اسلامی نظریات و افکار سے کس قدر مختلف ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے کیا کیا مضرتیں پوشیدہ ہیں ہمیں فخر ہے کہ "طلوعِ اسلام" کی یہ دلیرانہ تنقید کامیاب ہوئی اور اس کی تائید میں ملک کے گوشہ گوشہ سے صدائیں بلند ہونے لگیں[1]۔

امارتِ شرعیہ صوبہ بہار "ٹوڈیوں" اور "رجعت پسندوں" کی جماعت نہیں ہے بلکہ وہ مذہبی ادارہ ہے جسنے کانگریس کی ہمیشہ حمایت کی ہے اور اسکے دوش بدوش کام کیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے بھی اس اہم مسئلہ کیجانب توجہ کی اور واردھا کی تعلیمی اسکیم پر صحیح زاویہ نگاہ سے ایک مبسوط تبصرہ شائع کیا جسے ہم بکمال مسرت ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(طلوعِ اسلام)

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ مسلمان قوم کی بنیاد قرآن کریم اور احادیث کی تعلیمات پر مبنی ہے کوئی شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اُسکے لیے ضروری ہے کہ وہ اس امر کو جانے کہ اسلام کن بنیادی اصولوں کو ماننے اور کن اعمال کے کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

انگریزوں نے جب یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی ترقی کا راز اُنکے مذہبی علم اور عمل پر مبنی ہے تو انکی

---

[1] چنانچہ پمفلٹ واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان تقریباً دس ہزار کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے پشتو اور گجراتی میں اسکے تراجم شائع ہو چکے ہیں اور سندھی میں اسکا ترجمہ ہو رہا ہے۔ (طلوعِ اسلام)

مذہبیت کو فنا کرنے کے لیے سب سے پہلا ہتھیار جو تیار ہوا وہ یہ تھا کہ مذہب اسلام کی تعلیم کو تعلیمگاہوں سے خارج کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اسلامی روح سلب ہوگئی اور آج جو کچھ آپکو نظر آرہا ہے وہ قوم کا جسدِ بے روح ہے اکبر مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے!
تو خوشی پھر اُس کی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

مسلمان انقلابِ ہند کے لیے جو کوشش کرتے رہے ہیں اسکے دو مقاصد انکے سامنے رہے ہیں مذہب کی آزادی اور ملک کی آزادی، موجودہ اصلاحات نے ناقص طریقہ پر تعمیر قومی کا کسی حد تک موقع دیا ہے اسی بنا پر جب سے کانگرس نے صوبوں کی حکومتوں کے چلانے کی ذمہ داری لی ہے وہ اس کوشش میں مصروف ہے کہ ابتدائی تعلیم کو عام اور جبری کیا جائے اور اس کو تعمیر قومیت کا ذریعہ بنایا جائے اس موقع پر مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ انکے بچوں کی تعلیم کا سامان اس طرح کیا جائے کہ انکی متاع گم گشتہ پھر واپس آئے یعنی مسلمان پھر مسلمان ہوں۔

مذہبی لزوم کے لیے امارت شرعیہ کی سعی

نمائندہ حکومت کی بنا کے بعد مسلمانوں کو یہ سمجھنے کا نظری حق حاصل ہے کہ موجودہ حکومتیں قومی حکومتیں ہیں اور انکا فرض ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں ان کے جذبات اور حیات کا لحاظ رکھیں اسی بنا پر امارت شرعیہ صوبہ بہار نے جب ان تیاریوں کا حال سنا جو قومی تعلیم کے اجراء کے متعلق کانگرس کے رہنما یعنی گاندھی جی نے شروع کی تو امارتِ شرعیہ نے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت کی راہ نمائی اور ہدایت میں ذمہ دار حضرات کو اس طرف توجہ دلائی کہ ابتدائی تعلیم میں مسلمان بچوں کی مذہبی تعلیم بھی لزوماً داخل کیجائے۔

وارد ہا تعلیمی کمیٹی کے صدر کے نام خط

اس سلسلہ میں جب ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۷ء مطابق ۱۷ شعبان ۱۳۵۶ھ کو وارد ہا تعلیمی کمیٹی بنی اور اسکے صدر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب قرار پائے تو ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۷ء مطابق ۲۵ شعبان ۱۳۵۶ھ کو ڈاکٹر

ذاکر حسین صاحب کو حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے ایک خط لکھا کہ "ابتدائی اور جبری تعلیم کا جو خاکہ آپ کو تیار کرنا ہے اُس میں ابتدا ہی سے مذہبی تعلیم کے لیے کافی گنجائش رکھنے چاہئیں، اُمید ہے کہ اسپر آپکی نظر ہوگی لیکن بطور یاد دہانی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرادوں کمیٹی کو یہ بھی بتا دینا چاہیئے کہ اگر ایسا نہ ہوگا تو مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہو جائیگی"۔ اسی مضمون کا ایک خط حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کو بھی لکھا کہ آپ بھی ڈاکٹر صاحب کو توجہ دلائیں۔

وزیر تعلیم سے گفتگو

رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ میں آنریبل ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم صوبہ بہار سے ایک نجی صحبت میں ابتدائی تعلیم میں مذہبی تعلیم کے لزوم کے متعلق گفتگو ہوئی اور قرار پایا کہ چند روز کے بعد پھر ملکر اس موضوع پر خصوصیت کے ساتھ گفتگو کیجائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب سے اس موضوع پر پھر گفتگو ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موجودہ حکومت ایک قومی اور نمائندہ حکومت ہے اس کا فرض ہے کہ وہ قوم کے جذبات اور حیات کے مطابق چلے اور اب مسلمان اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ حکومت مذہبی تعلیم دینے کی ذمہ داری نہیں لے سکتی جس کی بنا پر حکومت ابتدائی تعلیم کی ذمہ دار بنتی ہے۔ وہی دلیل مذہبی تعلیم کے لیے بھی ہے البتہ حکومت کو جو انتظامی اور مالی دقتیں اس کام کے اجرا میں ہیں ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں حکومت کی مالی اور انتظامی دقتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابتدائی تعلیم میں مذہبی تعلیم کے لزوم کے متعلق جو باتیں سرسری طور پر ذہن میں آئیں اُن کو پیش کیا گیا ہے تاکہ ماہرین کے سامنے آجائیں اور وہ اپنے غور کر سکیں +

وزیر تعلیم کے نام خط

چنانچہ گفتگو کے ختم پر وزیر تعلیم سے کہا گیا کہ اسی کو قلم بند کر کے خط کی صورت میں بھیجدیا جائیگا تاکہ غور و فکر کی بنیاد کے طور پر کام آوے اور ۱۹ رمضان المبارک مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۳۷ء کو ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم صوبہ بہار کو خط لکھا گیا +

وارد ہا تعلیمی اسکیم کے صدر اور دوسرے حضرات سے گفتگو

اسی سلسلہ میں ۲۱ مارچ ۱۹۳۸ء مطابق ۸ محرم ۱۳۵۷ھ کو ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب بانکی پور میں اُن کی قیام گاہ پر حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب سے ملاقات کی اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ڈاکٹر عابد حسین صاحب، ڈاکٹر عبدالحق صاحب اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے باتیں ہوئیں +

۲۲ مارچ کو دفتر امارت شرعیہ سے اس خط کی نقل جو وزیر تعلیم صوبہ بہار کو بھیجی گئی تھی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے ملاحظہ کے لیے بھیجی گئی تاکہ اُنکے علم میں بھی یہ امر آجائے اور جب موقع آئے یہ بات اُنکے پیش نظر رہے +

امارت شرعیہ کی سعی کا دوسرا قدم

۲۲ مارچ کو دفتر امارت شرعیہ سے نقیب (جو امارت شرعیہ کا ترجمان ہے) ایک نوٹ مذہبی تعلیم کا لزوم (جو ۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا تھا) کا تاشہ وزیر تعلیم صوبہ بہار اور وزیر اعظم بہار بابو راجندر پرشاد اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کی خدمات میں روانہ کیا گیا، ۸ مارچ سے اسوقت تک جریدۂ نقیب کی کوئی اشاعت ایسی نہیں ہوئی جس میں ابتدائی تعلیم میں مذہبی تعلیم کے متعلق کوئی تحریر نہ ہو۔

اسکے علاوہ ایک تحریر اس مضمون کی مشاہیر کے پاس بھیجی گئی کہ مسلمانوں کی تمام تر تہذیب، تمدن اور معاشرت کی بنا مذہب پر ہے اتنک انگریزوں نے مسلمانوں کے تمدن کے مٹانے کے لیے طرح طرح کے نظریے پیدا کیے اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ حکومت مذہبی تعلیم کی ذمہ دار نہیں ہوسکتی اب کہ نئی اصلاحات نے صوبوں میں قومی حکومت کی ایک شکل پیدا کردی ہے، یہ حکومتیں جیسی کچھ بھی ہوں۔ بہرحال قومی حکومتیں ہیں تو ان کو مسلمانوں کے واجبی مطالبہ کے (کہ تعلیم کے ہر درجہ میں مذہبی تعلیم کا نظم کیا جائے) بے اعتنائی نہ برتنی چاہیے مسلمانوں کے لیے یہ مسئلہ وقت کے تمام مسائل سے زیادہ اہم ہے اسلیے حکومت اور قوم کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ مسلمانوں کی ہر اجتماعی اور انفرادی اخلاق کی کمزوری کی بنا اُنکی مذہبی معلومات اور تربیت کی کمی ہی کی وجہ سے ہے اور اس ایک اصلاح سے اُنکی بہت سی کمزوریوں کی اصلاح بیک وقت ہو جائیگی، جو حکومت، قوم اور ملک سب کے لیے یکساں مفید ہوگی۔

امارت شرعیہ کی سعی کا پہلا نتیجہ

ان تمام کوششوں کا نتیجہ الحمد للہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی توجہ اسطرف منعطف ہو گئی خصوصیت سے جمعیتہ علماء صوبہ بہار کے اجلاس منعقدہ چھپرہ نے ۲۸، ۲۹ مئی کو ایک تجویز وارد ھا تعلیمی اسکیم کے متعلق منظور کی جس میں مذہبی تعلیم لازمی رکھنے پر زور دیا اور اسکیم پر تنقید کی اور ایک مستقل کمیٹی بنائی اور تجویزوں کی نقلیں مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کے خط کے ساتھ وزیر اعظم اور وزیر تعلیم کو بھیجی گئیں اور مجلس عاملہ جمعیتہ علمائے ہند منعقدہ ۲ اگست ۱۹۳۸ء نے بھی اس مقصد کے لیے کمیٹی بنائی ان جلسوں میں خود حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب موجود تھے۔ اس مقصد میں امارت شرعیہ خصوصیت سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی ممنون ہے جسنے مذہبی تعلیم کے لزوم پر خصوصیت سے توجہ کی۔ چنانچہ جناب سید انطاف علی صاحب ہیڈ اسسٹنٹ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا خط جو ۲۲ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۳۸ء کو موصول ہوا ہے اسمیں وہ تحریر فرماتے ہیں بجواب گرامی نامہ ۶۹ مورخہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ وارد ھا تعلیمی اسکیم کے متعلق آپ کے استفسارات کا جواب جلد نہ جا سکا۔ جس کا دلی افسوس ہے تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ کانفرنس آپ کو سرسری طور پر کچھ لکھنا نہیں چاہتی تھی اب کہ پوری وارد ھا اسکیم کے بارے میں ہماری تجاویز کافی غور و خوض کے بعد تیار ہو گئی ہیں ان کی نقل مرسل خدمت ہے.....

اور کانفرنس کی جس کمیٹی میں یہ تجاویز مرتب ہوئی تھیں ان میں مذہبی تعلیم کے بارے میں آپکا ایک مضمون بھی پیش ہوا تھا۔ اور اغلباً ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی رائے پر اس مضمون نے کافی اثر اندازی کی، (کانفرنس کی تجاویز نقیب یکم ستمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہو چکی ہیں) ملک کے اور اخباروں نے بھی اس پر مستقل مضامین لکھے۔ جناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے مسلمانوں کے مذہبی تعلیم کے لزوم کے متعلق ایک مضمون بھی شائع کیا جو انکے تعلیمی ماہر ہونے کے نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہے۔ دیکھو نقیب ۱۱ اگست ۱۹۳۸ء

گاندھی جی کا رویہ

اس سلسلہ میں یہ عجیب افسوسناک بات دیکھنے میں آئی کہ مذہبی تعلیم کے لزوم کے متعلق مسلمانوں کا جس قدر اصرار بڑھتا گیا گاندھی جی اسکے انکار میں سخت تر ہوتے گئے اور طرح طرح کے بے معنی دلائل بھی انہوں نے دیئے جس کی مہذب اور معقول تردید نقیب میں مسلسل ہوتی رہی ہے۔

ایک طرف ہماری طرف سے ابتدائی تعلیم کے لزوم کے متعلق پیہم کوشش جاری رہی دوسری طرف
ست نے خاموشی سے تمام مطالبات کو اس طرح ٹالا کہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے جو خطوط لکھے
انکا کوئی جواب بھی نہیں دیا۔

زیر تعلیم کا بیان

یہاں تک کہ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۸ء کو وارد ہا تعلیمی اسکیم کے افتتاحی جلسہ میں ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم بہار کا خطبہ
پڑھا گیا جس میں انھوں نے مذہبی تعلیم کے متعلق اپنی پالیسی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ بلاشبہ مذہبی تعلیم
ہمارے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق اور ماحول کے بنانے میں کافی حصہ ہے لیکن اسکے بعد آپنے مذہبی
تعلیم کے دو حصے کر دیے (۱) اخلاقی تعلیم اور (۲) مذہبی اصول یا عقاید کی تعلیم پھر آپنے فرمایا کہ جہاں تک
پہلی قسم کی تعلیم کا تعلق ہے وارد ہا اسکیم میں اسکا پورا انصاب موجود ہے۔ جس میں پیغمبروں، مذہبی مفکروں
اور رہبروں کی سوانح اور ان کی تعلیمات درج ہیں اور دوسری قسم کی تعلیم یعنی عقائد کی تعلیم سے وزیر تعلیم نے
صاف انکار کر دیا۔ وزیر تعلیم کو یہ سمجھنا چاہیئے تھا کہ اخلاق کی بنیاد عقاید کی سطح پر قائم ہے اسلیئے اخلاق کی تعلیم بغیر عقائد
کے لغو اور بے معنی ہے اور اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی بغیر بنیاد کے عمارت کی تعمیر کی ناکام کوشش کیجائے۔

محض اخلاقی تعلیم کی ناکامی

اسموقع پر وزیر تعلیم کی واقفیت کے لیے ہم یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ حکومت بنانے ۱۹۱۲ء
میں ایک مخصوص کانفرنس اس غرض سے منعقد کی تھی کہ مذہبی تعلیم کی جگہ اخلاقی تعلیم رائج کرنے کے مسئلہ پر غور
کیا جائے اور اسمیں یہ طے ہوا کہ اخلاقی تعلیم بلا مذہبی تعلیم محض ایک ڈھکوسلہ ہے اور اس
فیصلہ کی مزید توثیق اس تجربہ سے ہوتی ہے جو فرانس میں کیا گیا (بیان ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب مطبوعہ نقیب
۱۷ اگست ۳۸ء ص ۱۲)

وزیر تعلیم کا مغالطہ

وزیر تعلیم کا اسکے بعد ارشاد ہے "لیکن جہاں تک دوسری قسم کی مذہبی تعلیم کا تعلق ہے یہ ناقابل عمل ہے کہ حکومت
کے پرائمری اسکولوں میں جس میں زیادہ سے زیادہ ایک یا دو استاد ہونگے اور ان پر بھی کاموں کا بار ہوگا کہ

صحیح مذہبی تعلیم دیجا سکے، ہر اسکول میں ضروری ہوگا کہ ہر مذہبی جماعت کے لوگوں کے لیے ایسے استاد رکھے جائیں جو ہر مذہب کے عقیدہ و اصول کے مستند واقف کار ہوں۔ مثلاً سُنّیوں کے لیے سُنّی اُستاد رکھے جائیں شیعوں کے لیے شیعہ اُستاد، سناتن دھرمیوں کے لیے سناتن دھرمی استاد، آریہ سماجیوں کے لیے آریہ سماجی استاد جین اور وشنیوں کے لیے جین اور وشنو اُستاد، تمام اسکولوں میں ایسا انتظام حکومت کے اخراجات سے بعید ہے۔" ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے دفتر امارت شرعیہ سے جو خط بھیجا ہے اُسے انہوں نے یا تو پڑھا نہیں اور اگر پڑھا ہے تو سمجھنے کی کوشش نہیں کی یا پھر وہ جان بُوجھ کر مذہبی تعلیم کو سرکاری تعلیم گاہوں میں ناقابل عمل ثابت کرنے کے لیے ایسا فرما رہے ہیں ان میں سے جو بات بھی ہو بے حد افسوسناک ہے۔

اس تقریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وزیر تعلیم مذاہب کے فرق کو بھی نہیں جانتے یا دانستہ دوسروں کو مغالطہ دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہندو دھرم کا کوئی مخصوص عقیدہ و عمل نہیں ہے جس کی تعلیم کا سوال پیش آسکتا ہے اِسکے علاوہ واردھا اسکیم میں سناتن دھرمی تعلیم تو اصولاً موجود ہی ہے۔ اسپر مزید اضافہ کیا ہو سکتا ہے رہا شیعوں اور سُنّیوں کا معاملہ تو صوبۂ بہار میں چند ہی گاؤں ایسے ہیں جس میں شیعہ آباد ہیں اسکے ما سوا اسلام کے اصولی عقائد توحید، رسالت حشر و نشر وغیرہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے مذہب کا ایک حصہ فرائض و اعمال بھی ہیں جنکے متعلق ڈاکٹر صاحب نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا اور ظاہر ہے کہ تعلیمی اسکیم سے بھی خارج ہے، حالانکہ بچوں کی ابتدائی تعلیم میں اسکی شمولیت کی بھی شدید ضرورت ہے اور فرائض و اعمال میں بھی شیعہ، سُنّی میں کوئی اصولی فرق نہیں اور ابتدائی تعلیم میں کوئی چیز ہی ایسی نہیں جو مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اختلاف کا سبب ہو۔

اختلاف جو کچھ ہے، وہ ان کی تفصیل و تشریح میں ہے جن کا ابتدائی درجوں کی تعلیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب نے شیعوں اور سُنّیوں کی تعلیم کے لیے علیحدہ علیحدہ اُستاد رکھنے کی جو خوفناک مصیبت بیان کی ہے وہ محض فرضی اور خیالی ہے اگر وزیر تعلیم مذہبی تعلیم کے لازم کرنے کا وعدہ کریں تو ہم ایسا نصاب تعلیم تیار کرنے کی ذمہ داری لے سکتے ہیں جو شیعہ و سُنّی دونوں کو قبول ہو اور اسکو دونوں

فرقے کے علماء منظور کرلیں۔

گاندہی جی کی خواہش کی تکمیل

جو اُستاد پیغمبروں کی سیرت پڑہا سکتا ہے وہ دوسری مذہبی کتابیں کیوں نہیں پڑہا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی تعلیم کا انکار محض اس لیے ہے کہ مسلمان بچوں کو اگر مذہبی تعلیم دی جائیگی تو پھر ناچنے گانے اور گاندہی جی کی مخصوص تعلیمات سے جو ملحدانہ اثرات پیدا کرنا مقصود ہے وہ باطل ہو جائے گا۔ اور گاندہی جی جب ہندو تمدن کے احیاء کے خواہش مند ہیں وہ زندہ نہ ہو سکے گا۔ ورنہ مذہبی تعلیم کا اجراء ناقابل عمل کیا معنی دشوار بھی نہیں ہے، دو استاد ہونگی صورتیں تو بالکل سہل ہے کہ ہندو طلبہ کے ناچنے گانے کے وقت میں مسلمان اُستاد مسلمان طلبہ کو مذہبی تعلیم دیگا۔

مسلمان بچوں کے لیئے مذہبی تعلیم کی ضرورت

مسلمان بچوں کو مذہبی تعلیم دینے کی ضرورت اسلیئے ہے کہ اگر کوئی مسلمان اللہ کو ایک نہ سمجھے اُسکے رسولوں پر کتابوں وغیرہ پر ایمان نہ لائے تو وہ مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نماز روزہ، حج زکوٰۃ جہاد وغیرہ کو فرض نہ سمجھے تو مسلمان ہی نہیں رہ سکتا۔

اسلام کی حلال کی ہوئی اشیاء کو حلال اور حرام کی ہوئی اشیاء کو حرام نہ سمجھے تو مسلمان نہ رہے گا ہندو اور مسلمان مذہب میں یہ عظیم الشان فرق ہے کہ اسلام میں مخصوص عقیدہ و عمل ہے جو تعلیم کا محتاج ہے اور ہندو دہرم میں ہر وہ امر داخل ہے جو کوئی شخص اپنے کو ہندو کہتا ہوا عمل میں لائے یا قابل عمل سمجھے اسلیئے اسکی مخصوص تعلیم کی ضرورت ہی نہیں ہے یہ تمام باتیں ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر ہوں گی لیکن اسکے باوجود وہ مسلمانوں کے لیئے مذہبی تعلیم کے اجراء کے مطالبہ کو غیر اہم ثابت کرنے کی افسوسناک کوشش کر رہے ہیں حالانکہ اپنی تقریر میں ڈاکٹر صاحب خود فرماتے ہیں کہ پیغمبروں، مذہبی مفکروں اور رہبروں کی سوانح اور ان کی تعلیمات وسیع ہوں گی اگر ان تعلیمات میں اُنکے عقاید و اعمال و اخلاق درج کردیئے جاتے اور خصوصیت کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں وہ اُمور بقدر ضرورت لکھ دیئے جائیں، تو یہ بھی کافی ہو جائے گا لیکن اسکی توقع نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہو سکتا تو وزیر تعلیم مذہبی تعلیم کے لزوم کا اقرار

کر لینے۔

مذہبی تعلیم سے انکار کی وجہ

لیکن اصل خطرہ یہی ہے کہ اسلامی تعلیمات سے واقفیت کے بعد مسلمان بچہ گاندھی ازم اور ہندوازم کا شکار نہیں ہوگا اور کانگریسی حکومتیں گاندھی ازم کی اشاعت کے لیے جو گمراہیاں پھیلانے کا ارادہ کر چکی ہیں... ان کا اسلامی تعلیمات سے خود بخود ازالہ ہو جائیگا

امارت شرعیہ کی سعی کا دوسرا نتیجہ

اس سلسلہ میں جو خدمت ممکن تھی امارت شرعیہ نے انجام دی۔ چنانچہ اس کی سعی و جہد کا نتیجہ ہوا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب صدر وارد ہا تعلیمی کمیٹی نے مذہبی تعلیم کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے فرمایا کہ ان جماعتوں کو جو بچوں کو مذہبی تعلیم دلانا چاہتی ہیں انکے لیے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ اور اسی وجہ سے آنریبل ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم نے جو کچھ فرمایا اُسی کی روشنی میں فرمایا۔ مگر ہمارے اصلی مطالبہ کے ماننے سے گریز کیا۔

وزیر تعلیم فرماتے ہیں کہ لوگوں کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جو جماعت اپنے مذہبی اصولوں کی تعلیم دلانا چاہے اس کو اس کی اجازت ہوگی کہ وار دہا اسکولوں میں ضمنی طور پر بذات خود اسکا انتظام کرے، مذہبی تعلیم کے لیے یہ نہایت بے معنی ہے اسلیے کہ اگر افراد محض ہدایت کر دینے سے ہر امر کا انتظام دنیا میں کر سکتے تو حکومت کو ابتدائی تعلیم کے لیے اتنے انتظام کی ضرورت نہ تھی۔ وزیر تعلیم کا ایک اعلان کافی تھا کہ لوگ بچوں کی تعلیم کا انتظام کریں۔ اصل وزیر تعلیم کا یہ اعلان صریح دھوکہ ہے جو وہ مسلمان قوم کو دے رہے ہیں، بہرکیف ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم نے بالفاظ صریح مذہبی تعلیم کے لزوم سے انکار کر دیا ہے حالانکہ مسلمانوں کی خواہش یہ ہے کہ مذہبی تعلیم ہر درجہ میں لازمی قرار دیجائے۔

مسلمانوں کو دعوتِ عمل

ان حالات کی بنا پر ہم نے ضرورت محسوس کی کہ تمام باتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیں کیونکہ اب قوم کی اجتماعی اعانت کے بغیر حصول مقصد ناممکن ہے اس صوبہ کے تمام مسلمانوں اور تمام مقتدر حضرات اور انجمنوں سے التماس ہے کہ وہ اپنی رائے سے جلد اطلاع دیں کہ وہ اس راہ میں کس حد تک ہماری اعانت کیلئے تیار ہیں، ان کی رائیں معلوم ہو جانے کے بعد ہم قدم آگے بڑھانے کا فیصلہ کریں گے اور مسلمانوں کو دعوتِ عمل دیں گے وما توفیقی الا باللہ

قومیت متحدہ

قرآن عزیز کی روشنی میں

(از جناب مولانا سید محشر حسینی صاحب بلیاوی فاضل دیوبند)

قومیت متحدہ کی بابت ہم کو قرآن سے کیا سبق ملتا ہے اس کو سمجھنے کے لیے ضرورت ہے کہ آپ پہلے قومیت متحدہ کی حقیقت کو سمجھ لیں۔

قومیت متحدہ کا لفظ کانگرس تحریک کا پیدا کردہ ہے۔ اس کا واضح لفظ میں یہ مطلب ہے کہ ہندوؤں کا مذہب اُن کی تہذیب، اُن کا تمدن، انکا کلچر مسلمانوں کی قومی تہذیب و تمدن سے جداگانہ ہے، ہندو اگر گائے کو اپنا معبود سمجھتا ہے، تو مسلمان اُس کو انسان کا خادم تصور کرتا ہے وہاں حلال و حرام کی تمیز کا فقدان ہے تو یہاں اسکا مکمل ضابطہ وہاں سوسائٹی ہے یہاں مذہب ہے، وہاں سب کچھ ہندوستان کے لیے ہے اور صرف ہندوستان کے لیے اور یہاں

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

کانگرس چاہتی ہے کہ ہندو مسلم کا یہ اختلاف مٹ جائے اور ہندوستان میں صرف ایک ہی مذہب کے ماننے والے ہوں اور سب ایک ہی تہذیب میں رنگے ہوئے ہوں وہ مذہب جو سارے ہندوستان پر حکمراں ہو ـــ ہندومت ـــ ہونا چاہیئے، وہ فلسفہ جو سارے ہندوستان کے بسنے والوں کے دماغوں پر چھایا ہوا ہو وہ ـــ ہندوازم ـــ ہو۔ وہ تہذیب جو سارے ہندوستانیوں کو محیط ہو ـــ ہندو تہذیب ـــ ہونی چاہیئے۔

ہر پڑھے لکھے سمجھ دار ہندو کی یہی مذہبی تمنا ہے اور یہی سیاسی آرزو، خواہ وہ مہاسبھائی ہو یا کانگریسی، دونوں کی یہی خواہش اور دونوں کی یہی کوشش ہے اور دونوں ہی چاہتے ہیں کہ ہندوستان

سے یہ بدیشی دہرم (اسلام) دُور ہو اور بھارت ماتا ـــــ ملکشوں کی حجازی تہذیب سے پاک ہو جائے +

ڈاکٹر رادہا مکرجی نائب صدر آل انڈیا ہندو مہا سبھا مشہور آدمی ہیں آپ ہندو مہا سبھا کے نائب صدر بھی ہیں اور بنگال کونسل میں کانگریس پارٹی کے لیڈر بھی ہیں۔ آپ نے آل انڈیا ہندو ویدک (دیوتہ) کانفرنس لاہور کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا تہا کہ:۔

"ہندوستان کو تھیوری (عقیدۃً) اور پریکٹس (عملاً) دونوں لحاظ سے ایک ہندو اسٹیٹ ہونا چاہیئے جس کا کلچر ہندو اور جس کا مذہب ہندو ازم ہو اور جس کی حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہو"۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے بیان سے یہ امر واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہندوستان میں "ہندو ازم" کا فرمارہے گا اور کسی دوسرے مذہب کے لیے ہندوستان میں گنجایش نہ ہو گی" آزاد ہندوستان کا یہی نقشہ ہو گا رہ گئے مسلمان اور اُنکا مذہب اور اُنکے قومی حقوق اور اُن کی تہذیب و معاشرت کا کیا حشر ہو گا؟ اسکے متعلق بھی فیصلہ سن لیجیے' لالہ ہردیال ایم اے کو تو آپ جانتے ہونگے آپ کسی زمانہ میں بڑے زبردست انقلابی لیڈر رہے۔ چودہ برس کی جلا وطنی کے بعد ابھی حال ہی میں آپ پھر ہندوستان تشریف لائے ہیں۔ آپ نے ایک بیان دیا تہا:۔

"انگریز ہندوؤں سے عہد و پیمان کے بعد ۵۰ فیصدی سوراجیہ دیدے یا آزاد ہندو ریاست قایم ہو جائے یا جب ہندو سنگھٹن کی طاقت سے سوراجیہ ملنے کا وقت قریب آجائے تو ہماری پالیسی جو انگریزوں اور مسلمانوں کے ساتھ ہو گی اس کا اعلان کر دیا جائے گا اسوقت باہمی سمجھوتہ کی کوئی ضرورت نہ ہو گی، بلکہ ہندو مہا سبھا صرف اپنے فیصلہ کا اعلان کر دے گی کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے کیا کیا فرائض ہیں" (ملاپ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۲۵ء)

یہ ہمارے برادران وطن کے منصوبے اور ارادے ہیں کہ وہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود کو کسی حالت میں برداشت نہیں کر سکتے اور وہ جو اٹھارہویں صدی کے آخر میں "بندے ماترم کے گیت" کے مصنف بنکم چندر چٹرجی نے اپنی کتاب "آنند مٹھ" میں ہندوؤں کو اشتعال دلاتے ہوئے کہا تہا کہ:۔

وہ مسلمان ملیچھوں کے مقابلہ میں برطانیہ کی حکومت کو تسلیم کرلیں۔ ہندوؤں کا فرض ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کی پاک سرزمین کو ان ناپاک ملیچھوں یعنی مسلمانوں سے پاک و صاف کردیں، ان کی مسجدوں کو مٹا دینا چاہیئے، اور ان کو زبردستی ہندو بنالینا چاہیئے"۔

آج پچاس برس کے بعد بھی اسی کی صدائے بازگشت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں گونج رہی ہے،

مسئلہ اقلیت

اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے مسلمانوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے حقوق کا تصفیہ ہو جانا چاہیئے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد ہمارے قومی وجود کو بزورِ حکومت مٹا دیا جائے اور ہماری حالت بھی اچھوتوں کی سی ہو جائے۔ مسئلہ اقلیت کی پیداوار اسی خطرہ کے ماتحت ہوئی لیکن برادرانِ وطن کے تو منصوبے کچھ اور ہی تھے، جہاں "رام راجیہ" کی دھن لگی ہو وہاں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے حقوق کا کیا سوال؟ لہٰذا سرے سے مسئلہ اقلیت ہی کا انکار کردیا گیا۔ گول میز کانفرنس میں بہت کوشش کی گئی کہ اقلیتوں کا مسئلہ آپس ہی میں طے ہو جائے، لیکن گاندھی جی نے اقلیتوں کے مسئلہ کا بکلّی انکار کردیا کہ ان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جیسا کہ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے کہا تھا کہ:۔

"ہمت کے ساتھ حقائق کا مقابلہ کیجئے۔ فرقہ وارانہ مسئلہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے"۔

پھر بہ جبر و قہر اقلیتوں کا مسئلہ پیش ہوا۔ انگریز نے ثالثی کرتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق کا فیصلہ صادر کردیا۔ لیکن تماشا تو دیکھئے کہ فرقہ وارانہ حقوق کی تقسیم و تعیین کے لیئے مسٹر ریمزے کو ثالث بنانیوالے خود مسٹر گاندھی مہاراجہ دربھنگہ، مسز سروجنی نائیڈو، راجہ نریندر ناتھ، سیٹھ برلا، مسٹر آئنگر وغیرہ ہندو لیڈران ہی تھے اور ثالث بھی اُس کو بنایا جو فطرتاً ہندو نواز واقع ہوا ہے، جس کی ہندو نوازی کے باعث مسلمان اُسے بجائے ریمزے میکڈانلڈ کہنے کے "رام جی مکندلال" کہا کرتے تھے۔ اسی ثالث نے اقلیتوں کے مسئلہ کا تصفیہ بالفاظ دیگر فرقہ وارانہ حقوق کا فیصلہ کیا لیکن فیصلے کے بعد فیصلہ سے اظہار بیزاری و ناراضی بھی خود ہندو بھائیوں نے ہی فرمائی اس لیے کہ اُس فیصلہ کی رُو سے کچھ تھوڑے بہت حقوق مسلمانوں کو مل گئے تھے اور حتے کہ کانگرس نے گزشتہ الیکشن مینی فسٹو میں صاف صاف لفظوں میں اعلان کردیا کہ:۔

"کیمونل ایوارڈ (فرقہ وارانہ حقوق کا فیصلہ) قطعاً اس قابل نہیں کہ اس کو منظور کیا جائے کانگرس کی پالیسی لاپرواہی اور غیر جانبداری کی نہیں ہے وہ شدت سے فرقہ وارانہ فیصلہ کو نامنظور کرتی ہے اور اس کو ختم کر دینا چاہتی ہے"۔

صرف یہی نہیں کہ کانگریس نے یہ کاغذی تجویز پاس کر لی بلکہ اقلیتوں کے حقوق سے متعلق فیصلہ کو منسوخ کرانے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا گیا، سوبھاش چندر بوس صدر کانگریس کے بھائی سرت چندر بوس کی سرکردگی میں اور ڈاکٹر ستیہ پال صدر کانگریس کمیٹی صوبہ پنجاب کی زیر حمایت لاکھوں ہندوؤں سے دستخط کرا کے وزیر ہند کے پاس میموریل بھیجا گیا کہ یہ فیصلہ ناقابل قبول ہے۔

یہ بے انصافیاں کیوں کی جا رہی ہیں؟ صرف اسلئے کہ برادرانِ وطن کے دلوں میں یہ بات رچی ہوئی ہے کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کا نہ قومی وجود باقی رہنا چاہیئے نہ انکے حقوق کا کوئی سوال ہونا چاہیئے، اسی لیے وہ اقلیتوں کے حقوق کے مسئلہ کو دیدہ و دانستہ نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے پنجاب میں تقریر کرتے ہوئے ایک موقع پر صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا:

"میں سو سال تک مسلمانوں کا انتظار کر سکتا ہوں کہ وہ کانگریس میں آئیں بہ نسبت اسکے کہ ان کو رشوت دیجائے"۔

رشوت؟ ـــــ یعنی قومی حقوق

مسلمانوں کے حقوق کے بارے میں ٹھیک یہی نقطۂ نظر ہندو مہا سبھا کا بھی ہے۔ بھائی پرمانند سابق صدر ہندو مہا سبھا نے پنڈت جواہر لال کو ایک تحریر بھیجی تھی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آج کانگریس بھی ہندو مہا سبھا کے اس اصول کا اقرار کر رہی ہے کہ نہ کوئی مسئلہ اقلیات (مناریٹیز) ہے نہ اسکے حل کرنے کی ضرورت، نہ کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ ہے نہ معاہدہ اور مفاہمت کی حاجت" (خطبہ صدارت سید راغب احسن ۲۶ ستمبر ۳۸ء)

اور پھر طرہ یہ ہے کہ یہ کھلی ہوئی بے انصافی کانگریس اس زمانہ میں کر رہی ہے جب کہ وہ کراچی کے جلسہ میں تجویز پاس کر چکی ہے کہ اقلیتوں کے جملہ حقوق محفوظ رہینگے۔ لیکن حقوق کے مسئلہ میں کانگریس کی

پالیسی کو دیکھتے ہوئے تو اس کراچی والی تجویز کا یہ مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ:-

"اقلیتوں کے جملہ حقوق بحق حکومت ہند محفوظ رہیں گے"!

دوسرا فریب

ایک طرف تو کانگرس جنگ آزادی کے دوران میں مسلمانوں کے حقوق تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے بلکہ ہمیں قطعی آگاہ ہے اسلئے کہ وہ لیس لگائے ہوئے بیٹھے ہیں کہ ہندوستان آزاد ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے حقوق تو کیسے ہم انکے قومی وجود ہی کو حکومت کے زور سے مٹا دینگے، لیکن سر دست اگر مسلمان شور مچائیں کہ ہمارے حقوق کا تصفیہ کر دو تو نہایت نرمی کے ساتھ خیرخواہانہ انداز میں "کراچی والی تجویز" کا حوالہ دیکر انھیں خاموش اور مطمئن کر دیا جائے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ کانگریس اپنی اس شاطرانہ چال میں کامیاب نکلی، اس لیے کہ بہت سے سادہ لوح مسلمان ——— عوام نہیں ——— بلکہ لیڈر ——— اس فریب میں مبتلا ہو کر کراچی والی تجویز کی صداقت پر ایمان لائے ہوئے بیٹھے ہیں اور صرف یہی نہیں ——— وہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اسکا یقین دلاتے رہتے ہیں کہ کانگریس اقلیتوں کے حقوق کی محافظ ہے

کانگریس نے دوسری شاطرانہ چال یہ اختیار کی کہ مسلمانوں میں "وعظ" کہنا شروع کیا:-

مسلمانو! دیکھو انگریز ہم سے بڑھ کر تمہارا دشمن ہے، تمہارے تمام ممالک مقدسہ پر اسکا اقتدار قایم ہے، سارا عالم اسلام انگریز کی غلامی کے پھندے میں گرفتار ہے ملوکیت کے جال میں پھنسا ہوا ہے اور یہ صرف اسوجہ سے کہ ہندوستان پر انگریز کا قبضہ ہے ہندوستان سے انگریز نکل جائیں تمام ممالک مقدسہ آزاد ہو جائینگے، لہذا تم اپنی تمام تر توجہ "ہندوستان کی آزادی" پر مرکوز رکھو تمہارا پورا دھیان صرف ہندوستان سے انگریز کے نکالنے پر صرف ہونا چاہیے۔

اور سنو! یہ اُردو ہندی کا قضیہ، گائے باجہ کا مسئلہ، نشستوں کی حجت، یہ چھوٹے چھوٹے جھگڑے ہندوستان کی جنگ آزادی میں سنگ گراں ثابت ہو رہے ہیں جمہور دان فرقہ دارانہ مسئلوں کو، یہ اقلیتوں کے حقوق پر کیسی بحث و تکرار یہ سب انگریزوں کی پیدا کردہ

بجتیں ہیں تاکہ آزادی کی راہ میں روڑے اٹکیں، اِن سے قطع نظر کرلو، انگریز کو نکالو، حقوق کا تصفیہ بعد میں ہوتا رہے گا، ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں، تم بھی ہندوستانی ہو ہم بھی ہندوستانی ہیں، دونوں ایک ہی قوم کے ہیں، آپس میں میل جول سے رہنا چاہیے، رہ گئے یہ مذہبی جھگڑے، تو بھائی کچھ تم نیچے اُترو کچھ ہم اُترتے ہیں ایک نقطہ پر ہم دونوں متفق ہو جائیں۔ اور کیوں نہ ہم لوگ ایک ایسی تہذیب اختیار کرلیں جس میں اس "مذہب" کا جھگڑا نہ ہو، نہ ہندو کا سوال باقی رہے نہ مسلمان کا، پھر دیکھو ہندوستان کتنی جلدی آزاد ہو جاتا ہے، بس ہمارے سامنے قوم کا سوال ہو فرقہ وارانہ مسئلہ نہ اُٹھنے پائے، یہ فرقہ پرستی تو بڑی لعنتی چیز ہے، جنگِ آزادی میں خلل ڈالتی ہے۔"

مسلمانوں نے یہ "مقدس وعظ" سنا۔ انگریز کا نام سنتے ہی شعلوں کی طرح بھڑک اُٹھے، آزادی کے لفظ نے انکے دلوں کو جوش و حرارت سے بھر دیا، انھوں نے کہا —— بات معقول ہے —— ہم کو صرف جنگِ آزادی لڑنی ہے، یہ فرقہ وارانہ باتیں درحقیقت بڑی لعنت کی چیزیں ہیں۔

مسلمانوں پر اس وعظ کا جادو چل گیا —— ہندو نے —— میدان جیت لیا اور کامیاب ہوگیا۔

آپ سمجھتے ہونگے کہ یہ وعظ میں نے اپنی طبیعت سے اختراع کرلیا ہے —— نہیں بندہ نواز! یہ وعظ برابر مسلمانوں کو سنایا جا رہا ہے —— یوپی اسمبلی میں خان بہادر فصیح الدین صاحب (جواب قضا کرچکے) نے مسلمانوں کی تعلیم کی بابت ایک سوال کیا تھا جسکے جواب میں مسٹر سمپورنانند وزیر تعلیمات نے ایک مبسوط تقریر فرمائی چند جملے آپ ملاحظہ فرمائیں۔

"ذاتی طور پر "ہندوازم" اور "اسلام" دو مختلف مذاہب ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ شخص جو ہندو یا مسلم تہذیب کے قائم رکھنے اور اسکو بارس میں جاری کرنے پر زور دیتا ہے وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہونچاتا ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ ہندوستان میں یہ چیز مفقود ہونی چاہیے ہم ایک "ہندوستانی تہذیب" چاہتے ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں اور دوسروں کے لیے جو یہاں آئے ہیں اور اپنا گھر بنا لیا ہے سب کے

لیے بالکل ایک ہے، .... ایسے امور جن سے ہم میں تفرقہ اور کشیدگی پیدا ہوتی ہے یقیناً ملک کے ساتھ دشمنی ہے' اس لیے ملک کا عام مفاد مدنظر رکھتے ہوئے مجھے امید ہے کہ جو لوگ مدارس میں ہندی اور اسلامی تہذیب قایم رکھنا چاہتے ہیں زور نہ دیں گے"۔

(مدینہ بجنور، مورخہ ۲۱ اپریل ۳۷ء)

سُنا آپ نے وعظ؟ ـــــ مگر یہ نہیں سمجھے کہ اس میں کتنے زہر آلود نشتر پنہاں ہیں جو رگِ گلو کے ذریعہ ہمارے دلوں میں اُتارے جا رہے ہیں۔

تحلیل و تجزیہ

جب ہم اس "مقدس وعظ" کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں ہندوؤں کے دیرینہ مقاصد آئینہ کی طرح نظر آتے ہیں۔ یہ تو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ بلاقید و تخصیص ہر ہندو یہ چاہتا ہے کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود نہ رہے لیکن یہ کیونکر ممکن ہے ؟ نہ یک لخت سارے مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالا جا سکتا ہے اور نہ سارے کے سارے تہ تیغ کیے جا سکتے ہیں' لہٰذا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے کہ مسلمان ہمارے اندر جذب ہو جائیں یعنی اگر مسلمان نہیں مٹتے تو کم از کم اُن کی مسلمانیت ہی مٹا دی جائے پھر تو رام راج قایم ہونے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہوگی۔

اِس مقصد کی خاطر ـــــ کہ مسلمان ہمارے اندر جذب ہو جائیں ـــــ انھوں نے یہ محسوس کیا کہ یوں تو اُن کو جذب کر لینا آسان کام نہیں ہے' مسلمانوں کے سر میں ایک نہایت ہی تیز نوکدار سینگ ـــــ مذہب کی ـــــ موجود ہے اگر اسکے ہوتے ہوئے ہم اُن کو ہضم کرینگے تو خود اپنا پیٹ پھٹ جائے گا اور آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جائیں گے' لہٰذا سب سے پہلے اسکے مذہبی سینگ کو کسی ترکیب سے نیست و نابود کر دینا چاہیے لیکن اگر وہ سینگ حکومت کے ہتھوڑے سے توڑنے کی کوشش کی گئی تو نقصان اُٹھانا پڑے گا' بہتر یہ کہ کوئی ایسا "تیزاب" استعمال کیا جائے جسکے اثر سے آہستہ آہستہ وہ سینگ خود بخود پگھل کر ختم ہو جائے پھر تو مسلمان ایک لقمۂ نرم و تر ہو کر رہ جائے گا۔

رائے یہ طے پائی کہ بُرامن نفوذ (پیس فل پینٹ ریشن) کے ذرائع استعمال کر کے تھوڑے عرصہ میں

مسلمان قوم کو تحلیل کر دیا جائے۔

ہندو — ایک ہزار برس مسلمانوں کے ساتھ رہ کر یہ سمجھ چکا تھا کہ مسلمانوں کی قومیت کو فنا کرنے کے لیے اُن کو مذہب سے بیگانہ بنانا ضروری ہے اِس لیے کہ مسلمانوں کی قومیت مذہب ہی کی بنیاد پر قایم ہے۔ نسلی اور وطنی رُجحانات کو اس میں دخل نہیں ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے وطن کے رہنے والے اپنے رشتہ کے چچا ابوجہل وابولہب — نسل و وطن — کی خصوصیت رکھنے والوں کو جوتے کی خاک برابر بھی نہ سمجھا اور فارس کے سلمان اور حبش کے بلال کلمہ پڑھتے ہوے آئے تو اُنہیں اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ مسلمانوں کی قومیت کا تو یہ معیار ہے، ان کو سبق پڑھایا گیا ہے کہ :-

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں

لہذا اُسکے قومی وجود کو مٹانے کے لیے اُسکے مذہب کو مٹانا از بسکہ لازمی ولابدی ہے، مگر مذہب کو وہ آسانی کے ساتھ چھوڑ نہیں سکتا ہے؛ اس لیے یہ کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے مذہبی تصور ہی کا نقشہ بدل جائے، اسکے تخیل میں فساد پیدا کر دو، اُس کی ضمیر کی روشنی کو بجھا دو، اُسکے مذہبی تصور کا رُخ تبدیل کر دو، اُسکے دلمیں — خدا پرستی — کے جذبات میں، قوم پرستی، وطن پرستی کے جذبات شامل کر دو۔ حاصل یہ کہ :-

اُسکے بدن سے "روحِ محمد" نکال دو

ہمارا مذہبی تصور

ہمارے مذہبی تصور کی حیثیت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے، ہمارا مذہب کی بابت پختہ اعتقاد ہے کہ وہ ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر حکمراں ہے، مذہب ایک طرف تو "انسان با خدا" کے تعلقات پر کنٹرول رکھتا ہے تو دوسری طرف وہ "انسان با انسان" کے تعلقات کی بھی نگہداشت و نگرانی کرتا ہے وہ ہمارے لیے زندگی کے ہر راستہ میں روشنی رکھتا ہے، وہ جہاں ہم کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کی بابت خاص ہدایات دیتا ہے، وہیں وہ ہمارے رہنے سہنے، اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، غرض روزمرہ کی زندگی کے آداب سکھاتا ہے۔

یعنی ہمارے مذہب کے دو حصے ہیں ایک عقائد و اعمال۔

عقائد وہ جو ایمان مجمل و مفصل کے ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں اور اعمال وہ جنہیں ہم نماز، روزہ زکوٰۃ، حج سے تعبیر کرتے ہیں۔ مذہب کا یہ حصہ "انسان با خدا" کے تعلقات کے دائرہ میں داخل ہے۔

دوسرا حصہ مذہب کا وہ ہے جو ہماری پوری دُنیا وی زندگی پر حاوی ہے یہ حصہ بھی ہمارے اوپر تھیوری اور پریکٹس دونوں لحاظ سے حکمرانی کرتا ہے اس میں سارے اخلاقی نظریات، اخوت، ہمدردی، نرمی و آشتی، صلح و صفائی، مساوات و رواداری وغیرہ شامل ہیں جن سے ہماری روزمرہ کی زندگی مرتب ہوتی ہے اور یہ حصہ "انسان با انسان" کے تعلقات کے تحت میں داخل ہے۔ بغرض عقائد و اعمال کے ساتھ ہی ساتھ ہماری تہذیب، طرز معاشرت، انداز معیشت، ہمارا تمدن، ہمارا کلچر بھی کچھ مذہب کی روشنی میں تعمیر پذیر ہوتے ہیں۔ مذہب ہی وہ نقطہ یا محور ہے جس پر ہماری زندگی کی ہر سکون و حرکت گردش کرتی رہتی ہے۔

"حریفانہ کمندیں"

عیار حریفوں نے مختلف کمین گاہوں سے کمندیں پھینکنی شروع کر دیں اور وہ جو ہم نے ابھی اُنکے ارادے بتائے کہ مسلمانوں کے مذہبی تصور ہی کو غلط راستہ پر ڈال دینا چاہیے اسکے لیے انھوں نے مسلمانوں کو یہ سکھانا شروع کیا کہ مذہب تو صرف "انسان با خدا" کے تعلقات کا نام ہے جو ایک پرائیویٹ اور انفرادی چیز ہے، "انسان با انسان" کے تعلقات کا نام "تہذیب" ہے اور تہذیب کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اسلیے اُس میں ہندو مسلمان سب ہی آزاد ہیں جیسی تہذیب چاہیں اختیار کرلیں، اور ہندو مسلم اتحاد و جو آزادی ہند کے لیے ضروری ہے، کی خاطر ہم کو ایک مشترکہ تہذیب کی ضرورت ہے لہذا ہندو مسلمان اپنے اپنے مذہب سے قطع نظر کرکے ایک ایسی تہذیب اختیار کرلیں جو خالص قومی بنیادوں پر قائم کی گئی ہو اور وہ تہذیب "ہندوستانی" تہذیب کہلائے۔

یو۔پی کے وزیر تعلیمات مسٹر سمپورنانند کی جو تقریر میں پہلے نقل کر چکا ہوں اُس کو پھر ایک بار ملاحظہ کیجیے۔ اس ہندوستانی تہذیب کے تصورات اس میں بہت نمایاں طور پر موجود ہیں۔ تقریر کا آخری فقرہ اخبار مدینہ نے کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں نقل کیا ہے، وہ فقرہ کانگرسی اخبار "ٹریبون" کی ۵ اپریل

اس کے مثالب و نقائص سے چشم پوشی کی گئی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہندوستان کے ایک عالم نے ترجمہ مذکور کی جو بیجا تعریف کی ہے اس سے اہل مصر فریب میں مبتلا ہوں یہ صرف اللہ کے واسطے نصیحت ہے جو ہندوستان کے کسی عالم کی ثنا و ستائش سے بالاتر ہے نیز ہمارے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ مخلوق کو خوش کرنے کے لئے خالق کے غضب کو خریدیں حالانکہ اللہ اور رسول کی خوشنودی سب پر مقدم اور سب سے زیادہ اہم ہے۔

ہم اس سے پہلے بھی اپنی کتاب "نفحۃ العنبر" میں علماء ہند اور علم دوست احباب کی خاطر محض رضائے الٰہی اور تبلیغ حق کے لئے اس تفسیر کی ہفوات پر توجہ کر چکے ہیں۔ اگرچہ ہمیں معلوم ہے کہ اس کی وجہ سے ہم پر طعن کیا جائیگا اور تعصب و جمود اور کم عقلی کا الزام لگایا جائیگا کہ ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے اخبار "الفتح" میں صاحب مضمون لکھتا ہے کہ

> اور ان تفاسیر میں سے جو اردو زبان میں تالیف ہوئیں مولانا ابو الکلام آزاد کی تفسیر ہے جس کی نظیر ساری دنیا میں سوائے امام حجۃ الاسلام سید رشید رضا مرحوم کے کہیں نہیں ملتی الخ۔

معلوم نہیں اس جملہ سے قائل کا منشا صاحب تفسیر کی ہمنوائی ہے یا بعض مصالح کی بنا پر مداہنت ہے بہرحال کچھ ہو ہم اس سے موافقت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

واضح رہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد نہایت ہوشمند، واسع الاطلاع ہیں اور اردو زبان میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں بلکہ ملکہ تحریر اور محاسن خطابت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اردو زبان کے بہت سے بدیع اسلوب آپ ہی کی ایجاد ہیں اور آج سے بیس سال پہلے انکی حیات بخش تحریروں نے قوم کو زندگی بخشی تھی اور موجودہ زندگی اور بیداری بعض آپ ہی کے قلمی جہاد کا نتیجہ ہے۔ وطن کو اجنبی دولت اور برطانی حکومت کے چنگل سے چھڑانے کے لئے آپ نے جو کوششیں کیں وہ فراموش کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس سعی و جہاد میں اُن کو حکومت کے شوکت و دبدبہ نے بھی مرعوب نہیں کیا اور وہ برابر اپنا کام کرتے رہے اور اسی وجہ سے بہت سے علماء حق نے انکی نسبت

سکوت فرمایا اور انکی خود میرے دل میں بھی ان کے جہاد وطن کی بنا پر بڑی قدر و منزلت تھی۔ انھوں نے ابتدا میں بہت سے لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا تھا اور اخبار "الہلال" اور "البلاغ" جاری کر کے جہاد حریت کو آگ کی طرح روشن کیا تھا اور اپنی خطابت اور تقریروں کے ذریعہ جسموں میں نئی روح پھونکی تھی۔ اس کے باوجود مولانا ابوالکلام خود پسند۔ خود رائے ہیں اور اکابر علماء میں جو بھی انکی رائے اور ہوا کی مخالفت کرتا ہے وہ ان کو ذلیل سمجھتے ہیں اور مسلک قدیم اور علم صحیح سے نکل جاتے ہیں۔

آپ کے رسائل و جرائد میں جن خیالات کا اظہار ہوتا تھا اس کی بنا پر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ آپ ابتداء میں صحیح الاعتقاد تھے الّا یہ کہ وہ قاضی شوکانی (یمنی) اور نواب صدیق حسن خاں صاحب آف بھوپال کی طرح فروعات میں کسی امام کے مقلد نہ تھے۔ آپ نے صرف ترک تقلید پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اپنی کتاب "تذکرہ" میں علماء حنفیہ حتی کہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رح پر بھی زبان طعن و تشنیع دراز کی جو اکابر امت کے ساتھ یقیناً سوء ادبی ہے۔

آپ نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ ہندوستان کے مسلمان آپ کو دین و دنیا کا امام تسلیم کر لیں اور امام الہند کے خطاب سے آپ کو مخاطب کیا جائے۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان میں وہ علماء بھی تھے جو علم و تقویٰ کے زیور سے آراستہ تھے اور ابوالکلام آزاد ان سے علم و عمل کے لحاظ سے بمراحل دور تھے چنانچہ علماء دیوبند اٹھے اور انھوں نے علی الاعلان کہا کہ یہ شخص امامت کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے ان کی امامت کے مقاصد کا ادراک کر لیا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ بعد میں ان مفاسد کا سدباب مشکل ہو جائیگا چنانچہ ابوالکلام صاحب کی آرزوئیں پوری نہ ہوئیں۔

اس کے بعد انھوں نے تفسیر کی اشاعت کا اعلان کیا جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اٹھ گئیں اور انھوں نے بے تابی سے اس کا انتظار کیا آخر وہ ترجمان القرآن کے نام سے منظر عام پر آئی جو مختصر اور مطول فوائد پر مشتمل ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر بہت طویل ہے اس لئے میں نے اس کا نہایت شوق سے مطالعہ کیا اور بعض دیگر آیات کی تفسیر جستہ جستہ مقامات سے دیکھی۔ دیکھکر میرا شوق بجھ گیا اور سخت افسوس ہوا اگر یہ تفسیر شائع نہ ہوتی تو اچھا ہوتا میں نے تفسیر دیکھکر محسوس کیا کہ اس شخص کے دماغ پر

ھوا ہی اور خود رائی اور خود پسندی سوار ہے جس کا پہلا مرحلہ تقلید سے انکار تھا اور دوسرا یہ جس نے سیدھی راہ ان پر گم کر دی ہے۔

تفسیر کی چند ھفوات

انہوں نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ کی تفسیر میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ دنیا کے جملہ مذاہب خواہ وہ نصرانی اور یہودی دین ہوں یا مذہب صابی۔ اگر کوئی شخص مذہب کی اس صورت پر عامل رہے جسے لیکر مذہب کا شارع آیا تھا تو یہ امر اسکی نجات کے لئے کافی ہے کیونکہ ان تمام مذاہب کی بنیاد ایک ہے اور وہ ہے ایمان باللہ اور عمل صالح اور خدا پرستی

اور ہر مذہب کا شارع توحید ہی لیکر آیا ہے اور اس نے عمل صالح اور خدا پرستی کی طرف ہی دعوت دی ہے۔ رہا شرک اور گناہ تو وہ مذاہب کے متبعین میں فرقہ پرستی کی بنا پر پیدا ہو گیا ہے اس پر آپ اپنی تفسیر میں مختلف اسالیب و طرق سے روشنی ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن حکیم دنیا کو اسی امر کی دعوت دیتا ہے اور ان کا گمان ہے کہ انھوں نے جو کچھ سمجھا وہی قرآن کا مغز اور قرآن کا مقصد ہے اور اس پر آیت ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ الخ سے استدلال کرتے ہیں!

آپ کے نزدیک شرائع اور عمل صالح کوئی مکلف چیز نہیں ہے اور یہ عبادات اور یہ شرائع ظواہر و رسوم ہیں جو بمنزلہ جسم ہیں جن کو دین کی حقیقت اور روح سے کوئی تعلق نہیں ہے پس جو شخص اعتقادی طور پر شرائع و احکام کا انکار کر دے تو آپ کے نزدیک ایسا شخص مسلمان ہی ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام اور من یبتغ غیر الاسلام دینا الخ کی تفسیر میں آپ لکھتے ہیں کہ اسلام نام ہے تمام ادیان کی وحدت کا جو کسی خاص شریعت سے مخصوص نہیں ہے۔ پس تمام مذاہب اسی دینی وحدت کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور تمام مذاہب کی صداقت کے قائل ہیں اس لئے آپ کے نزدیک ملت اسلامیہ مخصوص اعتقادات اور مخصوص عبادات کا نام نہیں ہے آپ کہتے ہیں کہ رسوم و شرائع اور مناہج کا اختلاف اور عبادات کا فرق ایک قدرتی امر ہے جس سے

مفر نہیں ہے اس لئے ان اختلافات پر ملامت نہیں کرنی چاہیئے اور دلوں کی تنگی کو دور کر دینا چاہیئے۔

اگر کوئی شخص موسوی شریعت پر کاربند ہے اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے اور شریعت محمدیہ سے متمسک نہیں ہے اور نہ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے اگرچہ شریعت اسلامیہ نے اکثر شرائع سابقہ پر خط تنسیخ کھینچ دیا ہے تو ان کے بنیادی اصولوں کی بنا پر ایسا شخص مسلم اور ناجی ہے

ہم نے جو کچھ کہا وہ ان کی تفسیر کا صریح بیان ہے جس میں تاویل کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے اگرچہ آپنے خطابت کے زور سے جو صرف آپ ہی کا مخصوص حصہ ہے مختلف عبارات میں اس حقیقت کو چھپانیکی کوشش کی ہے مگر صراحت کے مقابلہ میں تاویل وتسویل کام نہیں دے سکتی! کیا اس قسم کی تاویلات سے قلوب کو تشفی ہو سکتی ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ اسلام نے اہل مذاہب کو اس امر کی دعوت دی ہے کہ وہ اپنے اپنے مذاہب کو جن میں باطل کی آمیزش ہو چکی ہے تسلیم کرتے رہیں اور ان پر یہ لازم نہیں کیا کہ وہ اپنے مذاہب کو چھوڑ کر کسی اور دین کو اختیار کریں، سو یہ سب تلبیسات تدلیسات ہیں جو لوگوں کو گرداب ہلاکت میں پھنسانے والا ہیں۔

مجلہ "معارف"[1] نے اس تفسیر کے رد میں ایک بسوط مقالہ لکھا تھا اور بعض آیات کے ترجمہ کا مقابلہ اس ترجمہ سے کیا تھا جو بیس سال پہلے "الہلال" میں شائع ہو چکا ہے۔ اور بتایا تھا کہ ان دونوں ترجموں میں کس قدر بین اختلاف ہے۔ پھر تعجب ہے کہ دنیا میں یہ تفسیر لاثانی ہے۔ بے شک! وہ اپنی حفوات مخترعات میں لاثانی ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ مشکلات القرآن از صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۳۷

---

[1] مجلہ "معارف" میں تفسیر ترجمان القرآن پر جو تبصرہ شائع ہوا تھا اس میں تفسیر مذکور کی بے انتہا تعریف کی گئی تھی اور اسکو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی تفسیر کے ہمپلہ قرار دیا گیا تھا مگر سب سے پہلے اس تفسیر پر اسی "معارف" میں جس بزرگ نے صحیح زاویہ نگاہ سے نظر انتقاد ڈالی وہ جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز تھے۔ پرویز صاحب نے تفسیر کے اس زہر سے اسلامی پبلک کو روشناس کیا کہ اگر جسم اسلامی میں سرایت کر جائے تو پھر اسلام اور قرآن کچھ باقی نہیں رہتے اور بیک وقت تمام مذاہب کی ضلالتوں کو رشد و ہدایت تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ پرویز صاحب نے معارف میں اس حقیقت کا اظہار کر کے بتایا کہ تفسیر میں اکبر کے دین الہی کی تجدید کی جا رہی ہے جس کے بعد علماء کرام چونکے اور خود صاحب "معارف" نے ان کی تائید کرتے ہوئے مولانا آزاد کے خیالات سے اختلاف کیا۔ اور بہت سے علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابوں اور موقت الشیوع مجلات میں تحریر فرمائی۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے یہاں معارف کے جس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے وہ جناب پرویز صاحب کا ہی مضمون تھا۔ ۱۲

(طلوع اسلام)

گہر ہائے نایاب

بآں بالے کہ بخشیدی پریدم
بسوزِ نغمہ ہائے خود تپیدم

مُسلمانے کہ مرگ از وے بلرزد
جہاں گردیدم و اُو را ندیدم

(اقبال)

ہنوز ایں چرخِ نیلی کج خرام است
ہنوز ایں کارواں دور از مقام است

زکارِ بے نظامِ اُو چہ گویم
تو میدانی کہ ملت بے امام است

(اقبال)

فوجی بل اور ہندو ذہنیت

(از ادارہ)

پروپیگنڈا اگر منظم طریقہ سے کیا جائے تو اپنے اندر وہ قوت رکھتا ہے کہ جس سے ہر افسانہ حقیقت اور ہر حقیقت افسانہ بن جائے، دورِ حاضرہ میں تہذیب یورپ کی برکت سے، نظام دنیا جس نہج پر چل رہا ہے اس میں یوں تو ہر جگہ پروپیگنڈا کارفرما ہے لیکن میدانِ سیاست میں تو یہ ایسا مؤثر حربہ ہے جس کا وار کبھی خطا نہیں جاتا۔ اس بساط کا سب سے بڑا شاطر انگریز ہے، اور چونکہ ہندو نے اپنی سیاست انگریز سے سیکھی ہے اس لیے ہندوستان میں وہ اپنے استاد فن کا صحیح جانشین بن رہا ہے۔ موجودہ تحریک آزادی کی تاریخ کا اگر آپ بغور مطالعہ فرمائیں گے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ ہندو نے اس حربہ سے کس قدر عظیم الشان کام لیا ہے اور اس طرح مسلمان کو کس طرح سراب دکھا کر آبِ حیواں کا دھوکہ دیا ہے۔ اور ملتِ اسلامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہیں، بھائی کو بھائی سے جدا کر دیا ہے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے اور کس طرح یہ ذہنیت عام کر دی ہے کہ جو ہندو کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے وہی معزز و مکرم ہے جو اس سے اختلاف رکھتا ہے وہ توڑی ہے برطانیہ پرست ہے، رجعت پسند ہے غلامی کا دلدادہ ہے، آزادی کا دشمن ہے غرض کہ دنیا کے بدترین القاب کا مستحق ہے اور یہ سب کرشمہ ہے پروپیگنڈا کا۔ اس پروپیگنڈا کی روشن مثال آپ کو اس واقعہ میں ملے گی جو فوجی بل کے سلسلہ میں حال ہی پیش آیا اور جس کی رُو سے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال مستحکم کر دیا گیا کہ مسلم لیگ فی الواقع برطانیہ پرست ہے۔ اور کانگریس مسلمانوں کی سب سے بڑی محافظ اور ہمدرد ہے۔ آیئے ہم بتائیں کہ اس افسانہ کی حقیقت کیا ہے؟

مرکزی اسمبلی میں حکومت کیطرف سے اگست ۱۹۳۸ء میں فوجی بھرتی کا بل پیش ہوا۔ ایوان میں گرما گرم بحثیں ہوئیں مختلف پارٹیوں نے اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے بل کی مخالفت اور حمایت کی اور بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ آرمی بل مخالفتوں اور مزاحمتوں کے علے الرغم منظور ہوگیا۔

فوجی بل کی حمایت میں بڑا غضب یہ ہوا کہ مسلم لیگ پارٹی نے مرکزی ایوان میں اپنی آواز بلند کی۔ وہ مسلم لیگ جس کا سیاسی نصب العین کامل آزادی ہے جس کی خواہش ہے کہ اسلامی ممالک کے خلاف ہندوستانی فوج کو استعمال نہ کیا جائے جو چاہتی ہے کہ ان افسوسناک بلکہ شرمناک واقعات کا اعادہ نہ ہو جو جنگ عظیم کے دوران میں ترکوں کے خلاف ہندوستانی افواج کے ذریعہ رونما ہو چکے ہیں بلاشبہ فوجی بل کی حمایت اور وہ بھی مسلم لیگ کیطرف سے سرسری طور پر غور کرنے والوں کے لیے حیرت انگیز ہے۔

دوسری طرف مرکزی اسمبلی میں فوجی بل کے خلاف جو مؤثر آواز بلند ہوئی وہ کانگریس پارٹی کی آواز تھی، ہندوؤں نے اس خوفناک بل کے خلاف دھواں دھار تقریریں کیں جن میں بتایا کہ اس بل کے منظور ہو جانے سے فلسطین کے عرب تباہ ہو جائیں گے۔ وزیرستان کے مسلمان برباد کر دیئے جائیں گے تمام اسلامی ممالک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہینگے۔ ان تقریروں سے اور اخبارات کی تحریروں سے انہوں نے ایک سماں باندھ دیا جس سے معلوم ہونے لگا کہ فی الواقع ہندوؤں کے سینے مسلمانوں کی ہمدردی سے لبریز ہیں۔ اور انکا غم انہیں راتوں کو سونے نہیں دیتا۔ وہ اس دکھ میں گھلے جا رہے ہیں کہ اسلامی ممالک پر انگریز کا تسلط کیوں قائم ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے خوش عقیدہ اور کسی حد تک خفیف العقل لوگوں نے مسلم لیگ اور کانگریس کا مقابلہ شروع کر دیا اور مقابلہ میں علی الاعلان لیگ پر اظہار نفرت اور کانگریس اور کانگریسی ہندوؤں پر اظہار اعتماد کیا گیا اور پروپیگنڈہ کے زور سے یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ آزمائش کی پہلی ہی منزل میں مسلم لیگ کے قدم متزلزل ہو گئے اور ان لوگوں کو ثبات و استقامت کی توفیق ارزانی ہوئی جو میدان سیاست کے شہسوار ملک کے سچے بہی خواہ اور انگریز کے حقیقی دشمن ہیں یعنی یہ کہ مسلم لیگ ایک سرکاری جماعت ہے اور اسکا مقصد انگریز کے ہاتھ مضبوط کرنا اور ہندوستان

کے سیاسی شعور کو کچلنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کا ثبوت خوش قسمتی سے فوجی بل کی حمایت کے ذریعہ مل گیا۔

فوجی بل کی آڑ بنا کر مسلم لیگ کے خلاف اور کانگریس کی موافقت میں اس قدر پُرزور پروپیگنڈا کیا گیا ہے کہ اگر "قوم پرست" حضرات کی تقریروں، اخبارات کے مقالوں، نجی گفتگوؤں اور منظور شدہ قراردادوں کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر کا دفتر تیار ہو سکتا ہے اس کا اثر اتنا گہرا ہوا کہ اگر ہم آج یہ کہیں کہ لیگ کے مخالفوں نے گہری نظر سے واقعات کا ادراک نہیں کیا اور یہ نہیں سمجھا کہ کانگریس پارٹی کیوں اور کس لیے آرمی بل کی مخالفت کر رہی ہے تو یقیناً ہماری اس حیرت انگیز جرأت کا استقبال ایک حقارت آمیز ہنسی سے کیا جائے گا لیکن ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم آئندہ صفحات میں جو کچھ بیان کریں گے وہ ہر صاحب بصیرت کو کم از کم اس بات پر آمادہ کر دیگا کہ وہ سنجیدگی سے سوچے کہ فوجی بل کی مخالفت کے پردہ میں دراصل کانگریس گروپ اور عام ہندو ارکان کا منشا کیا تھا آیا یہ کہ واقعی وہ اسلامی ممالک سے ہمدردی رکھتے ہیں؟ کیا فی الواقع ان کو انگریزی فوج سے نفرت ہے؟ کیا سچ مچ وہ انگریز کی قوت کو توڑنا اور قومی اقتدار کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں؟ اگر مقصد یہی ہے تو یہ مقصد مبارک اور قابل صد ہزار تحسین و آفرین! اگر یہ نہیں بلکہ اسلامی ممالک کی حمایت کے پردہ میں "مطلب سعدی و دیگراست" کا معاملہ ہے تو ہم حق و انصاف کے ضمیر سے اپیل کریں گے کہ وہ وسعتِ نظری، فراخ حوصلگی اور نگاہِ انصاف سے ہماری معروضات پر بصیرت کی نگاہ ڈالیں اور ان چالوں کو سمجھنے کی کوشش کریں جن کو ہزاروں ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی نہیں سمجھا گیا حالانکہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ دوست نما دشمنوں اور آستین کے سانپوں کی ہر نقل و حرکت کو سمجھنے کی کوشش کیجائے۔

مخالفت کی سنہری بنیاد

مرکزی اسمبلی میں فوجی بل کی مخالفت کی بنیاد جن چیزوں کو قرار دیا گیا ہے ان کی صداقت اور واقعیت میں شبہ کی مطلقاً گنجائش نہیں۔ اے کاش کہ ایسا ہی ہوتا مگر بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اسکی بنیاد اسلام دشمنی پر نہیں ہے بلاشبہ اسلام دشمنی پر نہیں بلکہ آپ ذرا صبر سے کام لیں اور پہلے ان اسباب

کا جائزہ لیں جن کی بنا پر آرمی بل کی مخالفت کیگئی۔ ان اسباب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) کانگریس پارٹی نے بل کی مخالفت میں پہلی اور بنیادی دلیل یہ دی ہے کہ اسکے نفاذ سے شخصی آزادی اور سول لبرٹیز (مدنی حقوق) کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔

چنانچہ ۱۶ اگست ۱۹۳۸ء کو مرکزی اسمبلی کے مباحثہ میں آرمی بل کے دوران میں مسٹر اکمل چندرت نے کہا۔

"ضابطۂ فوجداری کا یہ ترمیمی بل آزادی رائے اور آزادی تقریر پر ایک حملہ ہے"۔

مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۳۸ء کو اسی بل پر بحث کے دوران میں مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے فرمایا۔

ہم سب سے پہلے مدنی حقوق کی حفاظت کی بنا پر اس بل کی مخالفت کرتے ہیں ملک میں جو تھوڑی بہت شخصی آزادی باقی ہے۔ حکومتِ ہند اس ایوان سے مطالبہ کرتی ہے کہ اسے بھی قربان کر دیا جائے۔

۲۴ اگست ۱۹۳۸ء کے مباحثہ میں ایوان اسمبلی میں مسٹر آصف علی نے اعلان کیا۔

"کانگریس پارٹی کے مسلم ارکان صرف اس بنا پر اس بل کی مخالفت کر رہے ہیں کہ ہم تمام لوگوں کے لیے مدنی حقوق اور شخصی آزادی کی حفاظت چاہتے ہیں"۔

شخصی آزادی اور کانگرس

ہم یہاں ضمنی طور پر یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ شخصی آزادی اور مدنی حقوق کی حفاظت کے معاملہ میں کانگریس اور کانگریسی حکومتوں کا اب تک کیا طرزِ عمل رہا ہے اور جس چیز کی حفاظت کے لیے کانگریسی گروپ اتنا بے چین نظر آتا ہے اسکے ساتھ خود اسکا سلوک کیا ہے۔

(۱) مدراس اسمبلی میں مسٹر ٹی ٹی کرشنا چاریہ نے متشددانہ قوانین کی منسوخی کے لیے ایک بل پیش کیا مگر اسمبلی کی کانگریس پارٹی نے وزیرِ اعظم مسٹر راج گوپال آچاریہ کی صدارت میں ایک قرارداد منظور کی کہ اس بل کی مخالفت کیجائے"۔

(ہندوستان ٹائمز ۱۶ اگست ۱۹۳۸ء)

یہ وہی متشددانہ قوانین ہیں جن کی مخالفت ہمیشہ کانگریس نے کی۔ وہی قوانین جو شخصی آزادی اور مدنی حقوق کے لیے تیز چھری کا حکم رکھتے ہیں اور جو آزادی رائے عمل کو کچلنے کے لیے نافذ کئے گئے تھے۔ مگر وزارت کی کرسیوں کو سنبھالتے ہی کانگریس انکی اہمیت کو سمجھ گئی اور ذرا خیال نہ آیا کہ ان قوانین سے سول لبرٹی اور شخصی آزادی سلب ہو رہی ہے مگر آرمی بل کی مخالفت میں اسی دلیل کو پُرزور الفاظ میں پیش کیا جا رہا ہے!

(۲) ایک دوسری مثال جو اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے ملاحظہ فرمایئے حکومت مدراس نے جس کی ڈور کانگریس کے ہاتھ میں ہے یہ فیصلہ کیا کہ ثانوی مدارس میں ہندوستانی زبان" (دراصل ہندی) کو لازمی اور جبری قرار دیا جائے۔ اسکے خلاف مدارس کے ہندوؤں نے ایجی ٹیشن کیا سول نافرمانی کی، قرارداد میں منظور کیں مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی، بلکہ احتجاج کرنے والوں کو گرفتار کرکے سزائیں دیدی گئیں۔ یہ ایجی ٹیشن حکومت مدراس کے لیے سوہان روح ثابت ہوا۔ چنانچہ وزیر اعظم مدراس مسٹر راج گوپال آچاریہ نے تنکگھاٹ پر ایک بہت بڑے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ ہندی (؟) کے خلاف ہر قسم کے ایجی ٹیشن کو ضابطہ فوجداری کے ترمیمی قانون سے دبایا جا سکتا ہے تو وہ اس ایجی ٹیشن کو آج سے پندرہ روز پہلے چھوڑ بیٹھے ہوتے، ہم نے صوبائی خودمختاری کو قبول کرکے صوبہ کی حکومت سنبھالی ہے اور ہمیں ان تمام ہتھیاروں کو استعمال کرنے کا پورا حق حاصل ہے جو ہمارے قبضہ میں ہیں"

(ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۶ اگست ۳۸ء)

(۳) آزادی رائے کا احترام کانگریسی صوبوں میں جس طرح کیا جا رہا ہے اس کی تیسری مثال ملاحظہ فرمایئے۔

"ناگپور میں کانگریسیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان جلسوں میں نہ شریک ہوں اور نہ تقریر کریں جن میں کانگرس ورکنگ کمیٹی کے اس فیصلہ کی مذمت کیجاتی ہے جو ڈاکٹر کھارے کے متعلق کیا گیا ہے"

(مرکزی اسمبلی میں نواب صادق علی خاں کی تقریر مورخہ ۲۴ اگست ۳۸ء)

آپنے ملاحظہ فرمایا کہ آرمی بل کی مخالفت میں کانگریس پارٹی کی وزنی دلیل کیا تھی؟ یہی ناکہ اسکے نفاذ سے شخصی آزادی برقرار نہیں رہ سکتی۔ مگر شخصی آزادی کے ساتھ خود کانگریس اور کانگرسی حکومت کا طرزِ عمل یہ ہے جو سطور بالا میں آپنے ملاحظہ فرمایا۔ یہاں صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ کانگریس کے ہاتھوں مدنی حقوق کی جس قدر مٹی پلید ہوئی ہے اسکو اگر جمع کیا جائے تو ایک انبار لگ سکتا ہے۔ یہ صرف ایک ضمنی بحث تھی اصل حقیقت کی پردہ کشائی آپکو آگے نظر آئیگی۔

مخالفت کی دوسری بنیاد

آرمی بل کی مخالفت جس بنیاد پر کیگئی اُسکا ایک پہلو آپ ملاحظہ فرما چکے اب اُس کا دوسرا پہلو بھی ملاحظہ فرمایئے مسٹر شام لال بل کی مخالفت میں حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

تم لوگوں کو گولی سے اُڑاؤ گے تم اپنی افواج کو سرحد پر بمباری کے لیے استعمال کروگے اور تم فلسطین کے عربوں کو کچلنے کے لیے اپنی عسکری طاقت کا مظاہرہ کروگے۔"

(تقریر مسٹر شام لال مرکزی اسمبلی میں مورخہ ۱۶ را گست ۳۸ء)

آپنے نہایت پرجوش الفاظ میں یہ بھی فرمایا

ہماری پوزیشن بالکل صاف ہے اگر تم جنگ کے بارے میں مشورہ نہیں کرتے اگر تم فوج کو ہندوستانی نہیں بناتے اگر تم شہنشاہیت کے مقاصد کو تقویت پہونچانے کے لیے جنگ کروگے اگر تم چاہتے ہو کہ دوسری طاقتوں کو کچل کر رکھ دو۔ اگر تم سرحد پر بمباری اور فلسطین کے عربوں کو تباہ کرنا چاہتے ہو تو پھر ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے سے روکیں۔

اسی دلیل کو پُرزور الفاظ میں پیش کرتے ہوئے سردار منگل سنگھ نے فرمایا :-

جناب! سوال یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کو فوج کی ضرورت ہے یا نہیں، یہ بھی سوال نہیں ہے کہ ہم اپنے مُلک کی حفاظت عدم تشدد کے ذریعہ کریں یا دیگر ذرائع سے بلکہ ایوان کے سامنے اصل سوال یہ ہے کہ کیا فوج کا استعمال ہندوستان کی حفاظت اور ملکی مفاد کے لیے کیا جائے گا یا گذشتہ کیطرح اُسکو دیگر قوموں کو زیر کرنے کے لیے؟

ہمارے روپے اور آدمیوں کو فوج کی شکل میں عراق، فلسطین اور عرب کو اسلئے تو نہیں بھیجا جائے گا کہ وہاں کے باشندوں پر گولیاں چلائیں؟ یا صاف الفاظ میں سوال یہ ہے کہ فوج کو برطانی سلطنت کے مفاد کے لیے تو استعمال نہیں کیا جائے گا"

(تقریر اسمبلی میں مورخہ ۱۷ اگست ۳۸ء)

نیز ایک ہندو ممبر نے از راہِ ہمدردی یہ بھی ارشاد فرمایا:-

"جناب، اُنیس سال کے اندر اندر برطانیہ نے اسلامی ممالک کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اگر ہم اسپر غور کریں تو لامحالا اس نتیجہ پر پہونچنا پڑتا ہے کہ دنیا میں اگر کسی حکومت نے اسلامی حکومتوں کو تباہ کیا ہے تو وہ صرف برطانی حکومت ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم میں برطانیہ نے جس طرح ٹرکی حکومت کو پارہ پارہ کیا وہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے۔ آپ گزشتہ ۲۵ سال کے عرصہ پر نگاہ ڈالیے اور مسجد اباصوفیہ سے لیکر جامع مسجد دہلی تک نظر دوڑا اگر کسی اسلامی ملک کو لے لیجئے نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ اسلام کی قوت کو صرف برطانیہ نے تباہ کیا ہے"

(تقریر مسٹر گڈکل مرکزی اسمبلی میں ۱۷ اگست ۳۸ء)

یہ ہے آرمی بل کی مخالفت کی مستحکم بنیاد اور انکی ظاہری سطح! ہم کہہ چکے ہیں کہ فوجی بھرتی کی مخالفت کے یہ وجوہ مسلمانوں کے لیے قابل تسلیم ہیں مگر قیامت تو یہ ہے کہ کانگرسی ہندو زبان سے کچھ کہہ رہے تھے اور دل میں کچھ اور مخفی تھا وہ کہتے تھے کہ فوجی بھرتی کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ممالک کو تباہ کیا جائے۔ فلسطین کے عربوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے۔ سرحد پر بمباری کیجائے۔ عراق عرب پر آگ برسائی جائے جیسا کہ جنگ عظیم میں ہو چکا ہے اور اسوقت سرحد اور فلسطین میں کیا جا رہا ہے۔ کاش یہ دلائل مخالفین کے دلوں سے نکلتے۔ انکا ظاہر اور باطن ایک ہوتا۔ اُنکے قلب و زبان میں ہم آہنگی ہوتی پھر ناممکن تھا کہ انکی خلوص نیت کا احترام نہ کیا جاتا اور انکی آواز میں اثر پیدا نہ ہوتا مگر وہاں تو دوسرا مخفی صدودھم اکبر وہاں معاملہ تھا جو کچھ ظاہر کیا جا رہا تھا وہ باطن کے بالکل خلاف تھا اور ماتم صرف اس بات کا تھا کہ فوج میں مسلمانوں کی اکثریت کیوں ہے۔ صرف صوبہ پنجاب ہی سے سپاہیوں کا انتخاب کیوں کیا جاتا ہے؟

اسمبلی سے باہر ہندو دُنیا نے کانگریسی ہندوؤں کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے یہ حقیقت واضح کر دی کہ انکو فوجی بھرتی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر اعتراض ہے تو صرف اس روش پر کہ پنجاب سے ۰ فیصدی مسلمان کیوں منتخب کیا جاتا ہے، چنانچہ کانگریسی اور غیر کانگرسی ہندوؤں نے اسی اسمبلی میں کہا کہ اگر حکومت بھرتی کی جانبدارانہ پالیسی کو ترک کر دے اور تمام صوبوں سے آبادی کے تناسب کی بنا پر فوجی بھرتی عمل میں لائے تاکہ فوج میں ہندوؤں کو نمایاں اکثریت حاصل ہو جائے، تو فوجی بھرتی پر انکو کوئی اعتراض نہیں ہے! اسکی تفصیلات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔

تصویر کا دوسرا رُخ

پہلے تو ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کانگرسی ہندو فوجی بھرتی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ ہندوستانی فوج میں زیادہ سے زیادہ بھرتی کیجائے اور ملک کی عسکری قوت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور پائدار بنایا جائے مگر اسی شرط کے ساتھ کہ اس میں ہندوؤں کی اکثریت ہو یعنے فوج کو ہندو بنایا جائے تمام صوبوں سے فوج میں آدمی لیئے جائیں، اور صرف پنجاب سے فوجی بھرتی کی پالیسی ترک کر دی جائے۔

۱۵ ستمبر ۱۹۳۵ء میں یعنی آرمی بل کی مخالفت کے ایک ماہ بعد مسٹر بدری دت پانڈے اسمبلی میں سوال کرتے ہیں کہ

> "ڈیفنس سکریٹری براہ کرم یہ بتائینگے کہ کیا صوبائی حکومتوں کو اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ ہندوستان کی حفاظت کے لیئے صوبوں کی فوج میں اضافہ کریں اور اس کو مدافعت کے لیے ہر قسم کے سامان کے ساتھ تیار رکھیں"

گویا جنگ کا خطرہ پیدا ہوتے ہی کانگرس کو بھی آرزو ہوئی کہ صوبہ جات کو بھی فوجی امداد کرنے کی اجازت ملجائے اگر واقعی جنگ چھڑ جائے تو کیا کانگرس اور کانگرسی حکومتیں اور گاندھی جی برطانیہ کی مدد کے لیئے کھڑے نہ ہونگے اور فوج میں بھرتی کر کر کے برطانیہ کی قوت کو مستحکم نہ کرینگے؟ ہمیں یقین ہے کہ جنگ چھڑنے پر کانگرس ہی سب سے پہلی جماعت ہوگی جو فوجی بھرتی کے مقدس کام کے لیئے سب سے آگے آگے نظر آئیگی

اگر یہ بات نہیں اور ہندوستانی فوج کو ہندو فوج میں تبدیل کر دینا مقصد نہیں تو پھر یہ کیا ہے کہ ایک طرف فوجی بل کی مخالفت کیجا رہی ہے اور دوسری طرف ہندوؤں کی فوج تیار کرنے کی کوشش کیجا رہی ہے اور خود کانگرسی حکومتیں سند و مہ کے ساتھ فوجی کالجوں جنگی اداروں اور عسکری تعلیم کا پروگرام تیار کر رہی ہیں؟

اسمبلی کے ۱۶ اگست والے مباحثہ میں مسٹر ستیہ مورتی نے فرمایا تھا:۔

"ہمیں بے شک فوج کی ضرورت ہے ایسی فوج جو خیالی دشمنوں سے لڑنے کے بجائے ہمارے ملک کی حفاظت کرے اور عالمگیر امن و امان کے قیام میں مدد دے یعنی ہمیں جارحانہ فوج کی نہیں بلکہ مدافعانہ فوج کی ضرورت ہے۔"

اسکے جواب میں آنریبل مسٹر میکسویل نے کہا:۔

"میں بتانا چاہتا ہوں کہ ملک بھر میں فوجی ٹریننگ سے ہمارا مقصد بھی یہی ہے۔ اسی کے ساتھ اطلاعات مظہر ہیں کہ ہائی اسکولوں اور کالجوں میں فوجی تربیت کو لازمی کرنے کے لیے یو.پی حکومت[1] ایک اسکیم پر غور کر رہی ہے، بہار[1] میں اسکولوں اور کالجوں میں فوجی تربیت کا مسئلہ حکومت کے زیر غور ہے اور بہار کی گورنمنٹ نے اس موضوع پر ایک پمفلٹ بھی شائع کیا ہے جس میں ثانوی مدارس کے لیے تعلیم اور فوجی تربیت کا ایک مناسب نصاب تجویز کیا گیا ہے۔ صوبہ جات متوسط[1] سے بھی اسی قسم کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں ناسک میں ڈاکٹر مونجے کے فوجی کالج سے ہم بے خبر نہیں ہیں۔ صدر ہندو مہا سبھا نے اپنے دورہ میں ملک کی حفاظت کے لیے ہندوستانی فوج کی ضرورت ظاہر کی ہے اسی قسم کا خیال کلکتہ کارپوریشن اور مدراس سٹی کونسل کی قرارداد میں پوشیدہ ہے جس میں لڑکوں کی جسمانی تربیت کے لیے پُر زور مطالبہ کیا گیا ہے اسی کے ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حکومت پر اس لیے نکتہ چینی ہو رہی ہے کہ اُسنے فوجی بھرتی کا دروازہ غیر جنگی طبقات

[1] یہ سب کانگرسی حکومتیں ہیں ۱۲

(NON-MARTIAL RACES) کے لیے کیوں نہیں کھولا؟"

ایک ہی روز بعد یعنی ۱۱ اگست کو مسٹر باراؤ نے اسکی تائید ذیل کے الفاظ میں کی:۔

"کانگریس اس ملک کے لیے تربیت یافتہ فوج چاہتی ہے۔ خود مسٹر سکیسنل نے فرمایا کہ صوبہ جات متحدہ، صوبہ جات متوسط اور بہار کی حکومتیں کالجوں میں طلبہ کو فوجی تربیت دینے کی اسکیم پر غور کر رہی ہیں اور ڈاکٹر مونجے نے بھی لڑکوں کی فوجی تربیت کے لیے ایک فوجی اسکول جاری کیا ہے۔ ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کانگرس اتنی ناسمجھ نہیں ہے کہ وہ اس ملک کی فوجی قوت کی الف، بے سے بھی ناواقف ہو"

سطور بالا سے یہ تو واضح ہو گیا کہ کانگرسی اور غیر کانگرسی ہندو فوجی بھرتی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ ملک کی حفاظت کے لیے ایک تربیت یافتہ اور مضبوط فوج ہندوستان میں رہے اسکے لیے نہ صرف خود کانگریس ہی کوشش کر رہی ہے بلکہ جو لوگ نجی طور پر فوجی کالجوں کا افتتاح کر رہے ہیں (مثلاً ڈاکٹر مونجے) وہ انکو نظر استحسان دیکھ رہی ہے اب ہمارا کام یہ رہ گیا ہے کہ ہم یہ بتادیں کہ اسمبلی میں فوجی بل کی مخالفت کس بنا پر گئی آیا اس بنا پر کہ ہندوستانی فوج سے سرحدی قبائل پر بمباری کیجائے گی اور فلسطین کے عربوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے گا یا اس بنا پر کہ فوجی بھرتی کا موجودہ طریق کار غلط ہے، کیونکہ اس کی رُو سے پنجاب کے باشندوں کو ہی بھرتی کیا جاتا ہے اور فوج میں مسلمانوں کا تناسب ۲۰ فیصدی ہے*

فوج کو ہندو بنانے کی تجویز

مسٹر بدری دت پانڈے نے مرکزی اسمبلی میں مندرجہ ذیل سوالات کیے:۔

"کیا ڈیفنس سکریٹری ازراہ کرم بتائیں گے کہ (الف) اگر ہندوستان پر بحری بری اور ہوائی راستوں سے حملہ کیا گیا تو اس کی حفاظت کے لیے کیا انتظامات کیے گئے ہیں؟

(ب) ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان ہندوستانی ہوائی بیڑہ میں کتنے ہندوستانیوں کو بھرتی کیا گیا؟

(ج) اسی دوران میں کتنے ہندوستانی برطانی ہند کے بحری بیڑہ میں بھرتی کیے گئے؟
(د) ۱۹۳۷ء و ۱۹۳۸ء میں پیادہ اور سوار فوج کے اندر کتنے ہندوستانی افسر اور سپاہی بھرتی کیے گئے؟ بھرتی شدہ افسروں اور سپاہیوں میں کتنے پنجابی سکھ، پٹھان، گڑھوالی، مرہٹے، مدراسی، بہاری، بنگالی، اور صوبہ جات متحدہ کے ہندوستانی اور گورکھے بھرتی ہوئے؟
(ہ) اگر صرف پنجابی سکھ، پٹھان اور گڑھوالی ہی بھرتی کیے گئے تو کیا آنریبل ممبر ہندوستان کی مدافعت کے لیے تمام صوبوں سے بھرتی کرنے کے مسئلہ پر غور کرینگے؟"

(اسمبلی کی کارروائی مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء)

ان سوالات کا منشا بالکل صاف اور واضح ہے یعنی۔

(۱) فوج میں ہندوستانیوں کی بھرتی کی ضرورت و اہمیت آنریبل ممبر مسٹر پانڈے بے چینی کے ساتھ حکومت سے دریافت کر رہے ہیں کہ ہندوستان کی مدافعت و حفاظت کے لیے ۱۹۳۷ء و ۱۹۳۸ء میں کس قدر ہندوستانی بھرتی کیے گئے۔ اگر بھرتی کی رفتار مدہم اور سست ہے تو ہندوستان کی حفاظت و صیانت کا اہم ترین کام کس طرح بروئے کار آئے گا اور حکومت پر ملک کی حفاظت کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکے گی؟ مختصر یہ کہ کانگرسی ہندو، فوجی بھرتی کے خلاف نہیں بلکہ اسکے مؤید اور حامی ہیں۔

(۲) بھرتی کے معاملہ میں جو چیز ہندوؤں کو عام طور سے اور کانگریسیوں کو خاص طور پر کھٹکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ دیگر صوبوں کو چھوڑ کر صرف پنجاب ہی سے نوجوان کیوں منتخب کیے جاتے ہیں جس میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ آخر مدراس، بہار، بنگال، اور یو۔پی۔ سی پی کے لوگوں نے کیا بگاڑا ہے کہ ان کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا؟ اور ظاہر ہے کہ خالص ہندو صوبوں سے بھی اگر بھرتی کا کام شروع کر دیا جائے تو فوج کو آسانی سے ہندو بنایا جا سکتا ہے اور سکری دائرہ میں ہندوؤں کو نمایاں اکثریت حاصل ہو سکتی ہے ورنہ صرف پنجاب سے فوجی بھرتی کا سلسلہ یہ معنے رکھتا ہے کہ مسلمانوں کا عنصر فوج میں غالب رہے حکومت کی ملازمتوں میں یہی ایک شعبہ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد آبادی کے تناسب سے زیادہ ہے

اور یہی غم ہندو کو کھائے جا رہا ہے نیز یہ بھی کہ فوج جیسے محکمہ میں مسلمانوں کی اکثریت!!

قوم پرستی کے اصلی خدوخال

آنریبل مسٹر پانڈے کے سوالات کے بعد مسٹر ستیہ مورتی نے اس سلسلہ میں مرکزی اسمبلی میں جو سوالات کیے وہ اس معاملہ پر اور زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر ستیہ مورتی کے سوالات اور حکومت کے جواب ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

مسٹر ستیہ مورتی۔ حکومت نے اسوقت جو جواب دیا ہے میں اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا حکومت نے ان پبلک بیانات پر اپنی توجہ مبذول کی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ فوج میں صرف پنجاب سے اور پنجاب میں بھی صرف ایک فرقہ کے لوگ بھرتی کیے جاتے ہیں؛ کیا حکومت نے اسکے نتائج کا بھی ادراک کیا ہے؟ اور کیا حکومت تمام صوبوں اور تمام فرقوں کے لیے بھرتی کے دائرہ کو وسیع کرکے فوج کو حقیقی معنوں میں "قومی" بنانے کے مسئلہ پر غور کرے گی۔ تاکہ وہ ان خطرات سے محفوظ ہو جائے جو اسوقت تمام ممالک میں فوجی ڈکٹیٹرشپ کے باعث سیاسی قوت پر غلبہ پانے سے پیدا ہو گئے ہیں"

مسٹر اوگلوی۔ مجھے اس حقیقت کے اظہار میں کوئی تامل نہیں ہے کہ حکومت جس بنا پر فوج کی تشکیل کرتی ہے اس میں صوبائی حدود بندیوں کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بہترین افراد سے بہترین فوج تمام ہندوستان کے لیے منتخب کیجاتی ہے نہ کہ کسی خاص صوبہ کے لیے لہذا اس معاملہ میں قومی نقطہ کو صوبائی نقطۂ نگاہ سے بالاتر رہنا چاہیے۔ ہمیں فوج کے لیے جہاں بھی اچھے افراد ملیں گے ہم انکو حاصل کرنے کے لیے وہیں جائینگے۔ اِدھر اُدھر بھٹکتے نہیں پھرینگے +

مسٹر ستیہ مورتی۔ حکومت نے پنجاب سے فوجی سپاہی بھرتی کرکے میرے صوبہ (مدراس) کے ان بہادر سپاہیوں کو کیوں فراموش کر دیا جنہوں نے تھوڑے ہی زمانہ ہوا ہندوستانی فوج میں بھرتی ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیے تھے؟ کیا حکومت نے فوج سے مدراسی

اور دیگر بہت سے صوبوں کو خارج نہیں کیا؟

مسٹر آدگلوی۔ مدراس کو فوجی بھرتی سے بالکل علیحدہ نہیں کیا گیا ہے۔ حکومت فوج میں مدراسیوں کی خدمات کی قدر کرتی ہے اور وہ ان مقامات سے اب بھی فوج میں بھرتی کرتی ہے جہاں تجربہ سے بہتر سپاہی مل سکتے ہیں۔ فوج میں مدراسیوں کی تعداد ۵۰۰ ۴ ہے۔

مسٹر ستیہ مورتی یعنی ۱۲۰۰۰۰ (ایک لاکھ بیس ہزار) میں سے ۵۰۰ ۴ سپاہی!

مسٹر آدگلوی تقریباً اسی تعداد میں۔

مسٹر ستیہ مورتی۔ مدراس کی آبادی کا خیال کرتے ہوئے کیا یہ تعداد مناسب ہے؟ مدراس جس مقدار میں حکومت کو ٹیکس ادا کرتا ہے، اس خیال سے اور قومی فوج کی ضرورت کے پیش نظر کیا فوج میں مدراسیوں کی تعداد صرف اتنی ہی ہونی چاہیئے؟

مسٹر آدگلوی۔ ہمارے خیال میں اصلی ضرورت یہ ہے کہ فوج کے لیے بہترین افراد مہیا کیے جائیں۔" (دیکھو اسمبلی کی کارروائی مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء)

مسٹر ستیہ مورتی کے ان سوالات پر بار بار غور کرو اور سوچو کہ انکا منشا اسکے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے کہ فوج میں داخلہ کا حق ہندوستان کے تمام صوبوں کو عموماً اور مدراس کو خصوصاً حاصل ہونا چاہیئے اور حکومت کا یہ رویہ سخت خطرناک ہے کہ وہ صرف پنجاب کے افراد کو فوج میں بھرتی کرتی ہے اور پنجاب میں سے بھی صرف ایک فرقہ کے لوگوں کو؟ یہ "ایک فرقہ" مسلمانوں کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ جن کو کوئی کانگریسی کوئی ہندو اور کوئی قوم پرست فوج میں دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ کیا ان سوالات میں اس بات کا کوئی شائبہ بھی ہے کہ کانگریسی ہندوؤں کے نزدیک فوجی بھرتی ملکی مفاد۔ مدنی حقوق اور آزادی کے لیے مضر ہے۔ اسمبلی میں تو ان قوم پرست حضرات نے یہی رونا رویا ہے کہ:۔

(۱) ہندوستانی فوج کی تعداد کم کیوں ہے۔ ہندوستان کی قلیل فوج ملک کی حفاظت کس طرح کر سکے گی ضرورت ہے کہ حکومت فوج کی تعداد بڑھائے تاکہ ہندوستان کی حفاظت ہو سکے۔

(۲) چونکہ قوم پرست حضرات اور کانگرسی ہندوؤں کے خیال میں ہندوستان کی فوج تعداد میں کم ہے اس لیے کانگرسی صوبوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ جنگ چھڑ جانے پر اُن کو بھی فوجی بھرتی کرنے اور حکومت کی فوج سے امداد کرنیکی اجازت دی جائے اسکے لیے اسمبلی میں سوالات کر کے راستہ صاف کیا جارہا ہے ۔

(۳) یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ فوجی بھرتی ملکی مفاد کے خلاف ہے بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ صرف صوبہ پنجاب ہی کو فوج کے لیے کیوں منتخب کرلیا گیا ہے اور پنجاب سے صرف ایک فرقہ کے لوگوں پر فوجی بھرتی کا دروازہ کیوں کھولدیا گیا ہے ؟

(۴) مسٹر ستیہ مورتی کے سوالات سے صاف عیاں ہے کہ وہ ایک قومی فوج کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور اسکے لیے ضرورت ہے کہ ہندوستان کے تمام صوبوں سے بہترین افراد فوج میں بھرتی کیے جائیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب اُن صوبوں سے جہاں خالص ہندوؤں کی اکثریت ہے فوج کے لیے آدمی لیے جائینگے تو ہندوستانی فوج میں بھی آبادی کے تناسب سے ہندوؤں کو اکثریت حاصل رہیگی اور جب فوج میں ہندوؤں کو اکثریت حاصل ہو جائے گی تو اسوقت وہ فوج قومی یا ہندوستانی فوج کہلائے جانیکی مستحق ٹھہریگی گویا کانگرسی ہندوؤں کا منشاء یہ نہیں ہے کہ فوجی بھرتی نہ کیجائے بلکہ یہ ہے کہ اس میں آبادی کے تناسب کے لحاظ سے (۲۶ فیصدی) ہندو لیے جائیں تاکہ زندگی کے تمام شعبوں کے بعد فوج پر بھی انکو غلبہ حاصل رہے اور آبادی کے بہانہ سے فوج کو آسانی سے ہندو بنا لیا جائے !

دیکھا آپنے کہ جنکی آنکھیں اسلامی ممالک کے غم میں خونبار نظر آتی تھیں اُن کے دل میں کیا تھا ؟ بایں ہمہ یہ تمام حضرات حریت پسند اور مسلمانوں کے بہی خواہ اور مسٹر جناح یا مسلم لیگ پارٹی گردن زدنی ! غدار، انگریز کی پٹھو۔ اسلامی ممالک کو تباہ کرنیوالی اور اسلامی مفاد کے گلہ پر چھری پھیرنے والی ہے ! پہلے یہ تو سمجھو کہ فوجی بل کی مخالفت سے ہندوؤں کا منشا کیا تھا اور پھر مسلم لیگ اور مسٹر جناح کے اس جرم عظیم کا جائزہ لو اور انصاف سے فیصلہ کرو کہ خود غرض کون ہے۔ غدار کون ہے قوم پرستی کا جامہ زیب تن کر کے فوج پر کنٹرول کرنا اور مسلمانوں کو تباہ کرنا کون چاہتا ہے ؟

مسٹر آصف علی کی فریب خوردگی

آپ نے کہا کہ اسمبلی میں آرمی بل کی مخالفت کی حقیقی بنیاد کیا ہے اور کس بنا پر ہے کانگریس گروپ اور سارے ہندو ارکان نے اس کی مخالفت کیوں کی؟ کہا یہ گیا تھا کہ فوجی بل کی مخالفت اسلئے ضروری ہے کہ اس سے آزادئ رائے کو کچلنے کا کام لیا جائے گا اور فوج کو سرحد اور فلسطین بھیج کر اسلام کی سیاسی قوت کو توڑا جائے گا۔ مگر کریدنے اور چھیلنے کے بعد پتہ چلا کہ اس کی مخالفت کی وجہ صرف یہ ہے کہ موجودہ حالات میں صرف پنجاب سے اور پنجاب میں صرف ایک فرقہ کے (یعنے مسلم) افراد سے فوج کو بھرا جا رہا ہے مسٹر پانڈے اور مسٹر ستیہ مورتی کے سوالات سے یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے کہ ہندو فوجی بھرتی کی حمایت اسوقت کرینگے جب تمام صوبوں سے رنگروٹوں کی بھرتی کا موقع آئے گا اور یہ یقین ہو جائے گا کہ فوج میں ہندو عنصر کو نمایاں غلبہ حاصل رہے گا

آپ کو معلوم ہے کہ کانگریسی ہندوؤں کا شروع سے ہی یہ طیرہ ہے کہ ان کو جب کبھی خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ انکے کسی طریقہ سے مسلمانوں کے دل میں کھٹک پیدا ہونے کا احتمال ہے تو وہ جھٹ سے کسی مسلمان کو گواہوں کے کٹہرے میں لاکھڑا کرتے ہیں جو قرآن اٹھا کر یقین دلاتا ہے کہ ہندو کا کوئی طرز عمل مسلمانوں کے مفاد کے خلاف نہیں اسمبلی کے اندر ان کو مولانا آزاد تو مل نہیں سکتے تھے جو بالعموم ان فرائض کو سرانجام دیا کرتے ہیں۔ یہاں مسٹر آصف علی صاحب تشریف لائے اور نہایت معصومیت کے ساتھ فرمایا

"حکومت اور کانگریس کے درمیان سوال یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو فوج میں کیوں بھرتی کیا جا رہا ہے جیسا کہ مسٹر جناح کا خیال ہے، بلکہ سوال یہ ہے کہ برطانی مفاد کے لیے جنگ میں ہندوستان کی شرکت کہاں تک حق بجانب ہے"

(ہندوستان ٹائمز اکتوبر ۹ ۱۹۳۸ء)

اب کوئی مسٹر آصف علی صاحب سے جا کر یہ پوچھے کہ حضرت! اگر آپکا ارشاد بجا ہے تو یہ مسٹر ستیہ مورتی جو مرکزی اسمبلی میں کانگرسی گروپ کے چیف وہپ اور "قوم پرستوں" کے نمائندے ہیں اپنے سوالات میں بار بار پنجاب کا کیوں ذکر فرماتے ہیں اُن کو صرف "ایک فرقہ" کی بھرتی سے کیوں شکایت ہے؟ وہ

حکومت کو کیوں مجبور کرتے ہیں کہ تمام صوبوں پر فوجی بھرتی کا دروازہ کھول دیا جائے؟ وہ مدراس کے "بہادروں" کا اور اُن کی فوجی خدمات کا ذکر کرکے فوج میں اُنکی قلت کا کیوں رونا روتے ہیں؟ انکا یہ ارشاد کس لیے ہے کہ مدراس سب سے زیادہ حکومت کو ٹیکس ادا کرتا ہے؟ مسٹر پانڈے سوالات کے دوران میں کیوں پنجاب کے پٹھانوں پر آوازہ کستے ہیں وہ حکومت سے کس لیے درخواست کر رہے ہیں کہ صوبجات متحدہ اور بہار سے بھی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کیا جائے؟ ان واقعات کی موجودگی میں مسٹر آصف علی صاحب کا نہایت جرأت سے یہ فرمانا کہ:-

"حکومت اور کانگریس کے درمیان سوال یہ نہیں ہے کہ فوج میں مسلمانوں کو کیوں بھرتی کیا جا رہا ہے"

صاف بتا رہا ہے کہ یہ "ریکارڈ" گراموفون کی کس کمپنی کا ہے!

افسوس مسٹر آصف علی صاحب اس موقع پر اس سلوک کو فراموش کر بیٹھے جو خود انکے ساتھ دہلی میونسپلٹی کے الیکشن میں کانگرسی ہندوؤں نے کیا تھا!

ابھی کچھ اور

معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ہمارے سامنے اسمبلی کے کانگرسی ارکان کے اور بیانات بھی ہیں اور وہ افکار و خیالات بھی جو قوم پرست ہندو لیڈروں اور ہندو اخبارات نے ظاہر فرمائے ہیں۔

مسٹر پانڈے اور مسٹر ستیہ مورتی کے بیانات سے آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ حضرات "قومی فوج" کی تشکیل کے لیے کس قدر بے چین ہیں اور قومی فوج کے معنی ہیں۔ اس عسکری طاقت کے جس پر ہندوؤں کا قبضہ اور غلبہ ہو اور یہ غلبہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ جب حکومت پنجاب کے "صرف ایک فرقہ" کے لوگوں کو نظر انداز کرکے ہندوستان کے تمام صوبوں سے فوجی بھرتی کرے اور آبادی کے تناسب سے فوج میں ہر فرقہ کو داخلہ کا حق دیا جائے۔ یعنی جب فوج میں ہندوؤں کی اکثریت ہو جائے تو کہا جائے گا کہ اب قومی فوج کی تشکیل عمل میں آگئی ہے۔ پھر ہر ہندو کا فرض ہوگا کہ اس قومی فوج کی حمایت کرے اور اور اس کی بھرتی کے لیے جو کچھ اُسکے بس میں ہو کر گزرے اس نیشنل آرمی (قومی فوج) کی تو یہ

کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذرا انبالہ کے مسٹر شام لال صاحب کا وہ بیان پڑھیئے جو آپنے اسمبلی میں فوجی بل کی مخالفت کرتے ہوئے دیا آپنے فرمایا:۔

"تاہم اس مخالفت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ لوگوں سے یہ کہا جائے کہ تمہیں "قومی فوج" میں بھی بھرتی نہ ہونا چاہیئے" (اسمبلی کی کارروائی مورخہ ۱۶ ستمبر ۳۸ء)

یعنی فوجی بل کی جو مخالفت کیجا رہی ہے وہ اسلیئے کہ اسکا مقصد قومی فوج کی تشکیل نہیں ہے بلکہ اُسکے ذریعہ تمام ہندو اکثریت والے صوبوں کو نظر انداز کرکے صرف پنجاب کے ایک "فرقہ" کے افراد کو فوج میں بھرتی کیا جائیگا حالانکہ کہا یہ جارہا تھا کہ فوجی بل کی مخالفت کا منشا یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی برقرار رہے، تقریر و تحریر اور رائے کی آزادی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو اور سرحد کے پٹھانوں اور فلسطین کے عربوں کو تباہ ہونے سے بچایا جائے مگر جب اصل حقیقت کھلی تو معلوم ہوا کہ ہندوؤں کو نہ سرحد کا خیال ہے نہ فلسطین، عراق اور عربی ممالک کا، نہ انکو آزادی رائے اور مدنی حقوق کے تحفظ سے کوئی غرض ہے اور نہ برطانی شہنشاہیت کی مخالفت سے۔ ان کو غرض صرف "قومی فوج" سے ہے جو ہندو اکثریت پر مشتمل ہو اور جس میں مدراس، بہار، اور سی پی کے بہادروں کو نمایاں جگہ حاصل ہو۔

اسلامی ممالک کے تحفظ کا جذبہ ہندوؤں کے دلوں میں کس قدر کارفرما تھا اس کا اندازہ تو اس سے لگایئے کہ ادھر فوجی بل کی مخالفت ہو رہی تھی اور اُدھر جنگ کے آثار دیکھ کر پنڈت جواہر لال نہرو پراگ میں یہ بیان شائع فرمارہے تھے کہ "انگلستان کا دشمن ہندوستان کا دشمن ہے"۔ (ٹریبون)

قوموں کی تقسیم فوجی اعتبار سے

ہندوؤں کو حکومت سے زبردست شکایت ہے کہ اُسنے ہندوستان کی قوموں کو فوجی نقطۂ نظر سے جنگی اور غیر جنگی میں تقسیم کر دیا ہے اور چونکہ پنجاب کا شمار ان صوبوں میں ہے جن میں جنگی قومیں آباد ہیں اس لیئے فوجی بھرتی کے لیئے قدرتاً اسی کو منتخب کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس انتخاب کے بعد ان صوبوں کو آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جاسکتا ہے جو فوجی اعتبار سے جنگی قوموں کا مسکن نہیں ہیں اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے نتیجہ یہ نکلا کہ فوجی بھرتی کے اس اصول پر فوج میں ہندوؤں کو قیامت تک بھی اکثریت حاصل نہ ہوسکے گی!

یہی وجہ ہے کہ فوجی اور غیر فوجی کی تقسیم سے عام ہندو نالاں ہیں اور فوجی بل کی مخالفت کی حقیقی وجہ بھی یہی ہے۔ اسمبلی میں فوجی بل پر جو مباحثہ ہوا اُس میں مسٹر جوشی کا ارشاد سننے کے قابل ہے۔ آپ نے بحث کے دوران میں فرمایا:-

"ہندوستانی فوج میں بھرتی کے مسئلہ میں حکومت ہند ایک غلط پالیسی اختیار کر رہی ہے سب سے پہلے ان اسباب کی بنا پر جنکو وہی خوب سمجھتی ہے اُسنے ملک کو جنگی اور غیر جنگی میں تقسیم کر دیا ہے اس تقسیم نے خود حکومت ہند کی راہ میں مشکلات پیدا کر دی ہیں اگر یہ تقسیم باقی نہ رہے تو بھرتی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ بھی باقی نہ رہیں!

مگر یہی نہیں بلکہ حکومت ہند ایک اور غلطی کا بھی ارتکاب کر رہی ہے وہ ایک بہت ہی محدود علاقہ سے فوج میں بھرتی کرتی ہے۔ رنگروٹوں کی ایک بہت بڑی اکثریت کا تعلق پنجاب سے ہے صرف پنجاب میں بھرتی کو محدود کر دینا خود حکومت ہند کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہے اگر حکومت تمام ملک سے بھرتی کرے تو فوجی بھرتی کو روکنے کے لیے ۱۱۵ مقرر دریجہ ابھی کافی نہیں ہو سکینگے[1]،، (اسمبلی کا مباحثہ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۳۸ء)

ملاحظہ فرمایا کہ فوجی بل کی مخالفت کیوں کی گئی؟ اور کانگرسیوں کو رنج کس بات کا ہے؟ اُن کو صرف یہ شکایت ہے کہ حکومت پنجاب سے اور پنجاب سے بھی ایک فرقہ کے افراد کو کیوں فوج میں بھرتی کرتی ہے۔ کیوں فوجی معاملات پر ہندو اکثریت کو غلبہ حاصل کرنے نہیں دیتی! ہندوؤں کی حقیقی خواہش تو یہ ہے کہ حکومت ہند کانگرس کے ہندو لیڈروں اور مہاتما گاندھی سے مشورہ کرے اور ان کی ہدایت پر فوجی تشکیل عمل میں لائے۔ چنانچہ اسمبلی کے مباحثہ کے دوران میں سردار منگل سنگھ نے نہایت صفائی سے کہا:-

---

[1] یہ اس بیان کی طرف اشارہ ہے جو مسٹر میکسویل نے فوجی بل کی حمایت کرتے ہوئے دیا۔ مسٹر میکسویل نے کہا تھا۔ "اپریل ۱۹۳۷ء سے اطلاعات موصول ہو رہی ہیں کہ نئے دستور کے نفاذ کے بعد پبلک اجتماعات میں فوجی بھرتی کے خلاف کثرت سے تقریریں کی جا رہی ہیں ۱۹۳۷ء میں اپریل سے دسمبر تک صرف پنجاب کے ۱۱ جلسوں میں ۸۵ مقررین نے فوجی بھرتی کے خلاف تقریریں کیں۔ لیکن دسمبر ۱۹۳۷ء سے اب تک صرف پنجاب میں اس مقصد کے لیے ۱۳۰ جلسے کئے گئے" دیکھیے یہ تقریریں اور جلسے سب پنجاب ہی میں ہو رہے تھے!!

جناب ایک ضروری سوال ہمارے سامنے ہے وہ یہ کہ ہمارا یہ مطالبہ کیوں ہے؟ فوجی بھرتی کے خلاف ایجی ٹیشن کس لیے برپا کیا جا رہا ہے؟ ہمارے صوبہ میں ۴۰ جلسے کیوں منعقد ہوئے اور کیوں ان میں لوگوں سے کہا گیا کہ فوج میں بھرتی نہ ہونا؟ حکومت ہند اپنی ذمہ داری کو محسوس کرکے معلوم کر سکتی ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے مگر بجائے اس سوال کو حل کرنے کے وہ فوجی بل پیش کر رہی ہے۔

"اگر جناب! آپکی خواہش ہے کہ فوج میں لوگ بھرتی ہوں تو اس قسم کا بل پیش نہ کیجیے بلکہ لیڈروں کے پاس جایئے۔ مہاتما گاندھی کے پاس جایئے اور ان سے کہیئے کہ ہم اسوقت مشکلات میں ہیں اور ہم کو اس ملک کی امداد کی ضرورت ہے اور کانگرس سے معاملہ طے کیجیے، اور پھر دیکھئے کہ ہندوستان آپکا کس طرح معتمد حلیف بنتا ہے۔"

(کارروائی اسمبلی مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۱ء)

مطلب یہ ہے کہ ہندو نہ صرف فوج میں اپنی اکثریت چاہتا ہے بلکہ دفاعی وسائل کی تشکیل میں حکومت کا مشیر خاص بھی بننا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ کانگرسی ہندو حکومت کو جو مشورہ دے حکومت کا فرض ہے کہ اس کو قبول کرے۔ اس کی مرضی ہے کہ حکومت فوج جیسے اہم معاملہ میں گاندھی جی کی رائے پر عمل کرے اور ہندوستان کی عسکری طاقت کو کلیتاً ہندوؤں کے ہاتھ میں دیدے اور جب یہ صورت عملی شکل اختیار کرلے گی تو پھر ہندوؤں کو نہ فلسطین کا خیال رہے گا اور نہ سرحدی قبائل پر بمباری کا۔ وہ فوجی کنٹرول کے لئے برطانیہ سے دس قدم آگے بڑھنے کے لئے تیار ہے اگر ایسا نہیں اور فوج میں صرف ایک فرقہ کو بھرتی کرنے کی پالیسی قائم رہی تو اسے بار بار فلسطین یاد آتا رہے گا اور فلسطین کی تباہی اسکے لئے سوہانِ روح بنی رہے گی۔

ہندو اخبارات اور فوجی بل

یہ تو تھیں اسمبلی کی تقریریں جن میں نہایت وضاحت اور صفائی سے ہندوؤں نے اپنا منشا ظاہر کر دیا ہے اب ذرا قوم پرست اور کانگرسی اخبارات کا جائزہ لیجیے کہ وہ اس باب میں کیا فرماتے ہیں

اور ان کے نزدیک فوجی بل کی مخالفت کے بڑے اسباب کیا ہیں؟ اگر آپ ہندو اخبارات کا جائزہ لیں گے تو یہ دیکھ کر آپ کو سخت حیرت ہو گی کہ اسمبلی کے ہندو ممبران کی طرح وہ بھی اس امر کے شاکی ہیں کہ حکومت نے صرف ایک صوبہ کو فوجی بھرتی کے لئے کیوں مخصوص کر لیا ہے اور ایک صوبہ کے صرف ایک فرقہ پر اس کی یہ نظرِ عنایت کیوں ہے؟ کیوں تمام صوبوں کے ہندوؤں کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا؟ اور اس کے لئے مدراسیوں، بہاریوں، بنگالیوں اور یوپی کے ہندو سورماؤں کو فوجی معاملات میں کیوں نظر انداز کر دیا گیا ہے؟

اخبار "پائنیر" لکھنؤ نے فوجی بل کی مخالفت کرنے والوں کی دکھتی رگ پکڑتے ہوئے لکھا تھا۔

"فوجی بھرتی کے مسودۂ قانون پر مسٹر جناح نے حکومت کا ساتھ کیا دیا کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے ان پر سخت اور شدید نکتہ چینی شروع کر دی۔ فلسطین اور وزیرستان میں برطانیہ جو کچھ کر رہا ہے اس کا حوالہ دے دیکر یہ کہا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا مقدس ترین فرض ہے کہ وہ برطانی فوج کا بائیکاٹ کر دیں مگر یہ دلیل دیتے وقت ان مشکلات کا احساس نہیں کیا گیا جو فوجی بائیکاٹ کے بعد ہزاروں مسلم گھرانوں کو پیش آئنگی۔ ہندوستانی فوج میں مسلمانوں کا تناسب ۶۰ فیصدی ہے اور اکثر مسلمان سپاہی پنجاب سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کانگریس کی طرف سے فوجی بھرتی کے خلاف پروپیگنڈہ کا نتیجہ صرف پنجاب ہی کو برداشت کرنا پڑیگا آخر فوجی بھرتی کے خلاف یہ خوشخبریاں راجپوتانہ اور مہاراشٹر میں کیوں نہیں سنائی جائیں؟..... فوجی بھرتی کے خلاف صرف مسلمانوں میں پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے تاکہ فوج میں ان کا فیصدی تناسب گھٹ جائے اور ان کی جگہ کو پر کرنے کے لئے جاٹ، سکھ اور مرہٹے آ جائیں" (مندرجہ ہندوستان ٹائمز ۳ ستمبر ۱۹۳۸ء)

اس کے جواب میں "ہندوستان ٹائمز" میں ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ معاصر "پائنیر" کا خیال کس قدر صداقت پر مبنی ہے۔ جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"اس نظریہ کی صداقت کو نظر انداز کر دیجئے کہ ہندوستان میں فوجی اور غیر فوجی کی تقسیم غلط ہے نیز اس کو بھی جانے دیجئے کہ نام نہاد فوجی طبقہ سے باہر بھی بہترین جنگی سپاہی موجود ہیں جنھوں نے برطانی حکومت کے آغاز میں اپنی قوت و خدمت کے بہترین مظاہرے کئے ہیں۔ یہ حیرت انگیز امر ہے

کہ کوئی معقول پسند حکومت کسی خاص صوبہ یا کسی خاص فرقہ کے ہاتھ میں جنگی قوت کا اجارہ دیدے اگر یہ صحیح ہے کہ فوج میں مسلمانوں کا تناسب ۷۰ فیصدی ہے اور ہمارے معاصر (پانیر) کی یہ بیان کردہ حقیقت کہ مسلمان سپاہی زیادہ تر پنجاب ہی سے بھرتی کئے جاتے ہیں درست ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے فوجی حکام برطانیہ اور باقی ہندوستان کے لئے خطرہ پیدا کر رہے ہیں ہندوستان کے ہر صوبہ اور ہر ریاست کو فوج میں نمائندگی کا اور ہر فرقہ اور طبقہ کے لوگوں کو فوجی خدمات بجالانے کا حق حاصل ہے، ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جہاں آبادی اس قدر کثیر ہو، یہ افسوسناک بات ہے کہ صرف ایک فرقہ کے لوگوں کو جنگی مقاصد کے لئے تربیت دیجائے اور باقی ہندوستان کو یونہی چھوڑ دیا جائے"۔ (ہندوستان ٹائمز ۲ ستمبر ۱۹۳۸ء)

دیکھا آپ نے کہ اخبار پانیر کے خیالات کی کس طرح حرف بحرف تائید کی گئی ہے! فلسطین اور وزیرستان تو خواہ مخواہ بہانا بنایا گیا ہے اصل غرض تو یہ ہے کہ "ہندوستان کے ہر صوبہ اور ہر ریاست کو فوج میں نمائندگی کا حق حاصل ہے"۔ اور جب ان کا یہ حق غصب کیا جارہا ہے تو ناممکن ہے کہ فوجی بل کی مخالفت نہ کیجائے۔ ہندوؤں کو افسوس اس بات کا نہیں کہ برطانی فوج کو عربوں اور پٹھانوں کے خلاف استعمال کیا جائیگا بلکہ اس بات کا ہے کہ "کسی خاص فرقہ کے ہاتھ میں جنگی قوت کا اجارہ دیدیا جائے"۔ سب سے بڑی شکایت تو یہ ہے کہ "صرف ایک فرقہ کے لوگوں کو جنگی مقاصد کے لئے تربیت دینا اور باقی ہندوستان کو چھوڑ دینا"۔ اگر حکومت آج سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں کو بھرتی کرکے فوج میں ہندو اکثریت کا ثبوت دیدے تو پھر قوم پرست اور کانگریسی اخبارات اور لیڈروں کو کوئی افسوس ہوگا اور کوئی شکایت نہ ہوگی اگر برطانیہ فلسطین اور سرحد کو اسی ہندو فوج کے ذریعہ زیر و زبر کرڈالے تو نہ تو آزادیٔ رائے کا کوئی سوال پیدا ہوگا نہ مدنی حقوق کی حفاظت کی خلش طبیعت کو پراگندہ کریگی اور نہ جارحانہ اور غیر جارحانہ حملوں کی تقسیم پر غور کرنے کا موقع ملے گا۔

اخبار "ہندوستان ٹائمز" جو کانگریس کی آواز ہے اور قوم پرست اخبارات کی صفِ اول میں جس کا شمار ہوتا ہے ہم اس کے مقالہ افتتاحیہ پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں خیال ہوسکتا تھا کہ "ہندوستان ٹائمز" جیسا قوم پرست اخبار تو کم از کم فوجی بل کی مخالفت میں اپنے قوم پرستانہ

دلائل پیش کریگا اور ساتھ ہی یہ بھی بتائیگا کہ بل کی مخالفت میں بقول مسٹر آصف علی "مسلمانوں کی بھرتی کا سوال نہیں ہے" بلکہ سوال صرف یہ ہے کہ ہندوستان کی مرضی کے خلاف فوج کو استعمال کرنیکا حق برطانیہ کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ مگر جب معاصر محترم کا لیڈنگ آرٹیکل اس موضوع پر سامنے آیا تو یقین کرنا پڑا کہ پورے ہندوستان کا قوم پرست طبقہ اور ہندوؤں کا ایک ایک فرد چاہتا ہے کہ منافع بخش ملازمتوں، کمپنیوں اجارہ داریوں اور اقتصادی و سیاسی اداروں پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستانی فوج پر بھی قبضہ کیا جائے اور مسلمانوں کا جزء عنصر وہاں نظر آتا ہے اسکی جگہ پر مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کو بٹھا دیا جائے !! اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بل کی مخالفت کا منشا فوج میں مسلمانوں کی بھرتی نہیں ہے بلکہ ایک اصول ہے یعنی آزادی رائے کا تحفظ اور سول لبرٹی کا احترام !

بہرحال "ہندوستان ٹائمز" اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے۔

"جہانتک ہندوستانی فوج کو مستحکم کرنے کا سوال ہے ہم مسٹر اوگلوی کی رائے کا احترام کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن مسٹر جیٹھ یادھیا کا یہ سوال کہ قومی مدافعت کے لئے صوبوں کو بھی فوجی امداد کی اجازت دیجائے ایک ایسا سوال ہے جس کو مجوزہ فیڈریشن کے پیش نظر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مسٹر اوگلوی کے جواب نے اس پر غور و فکر کی راہ بالکل ہی بند کر دی ہے۔ صوبوں اور ریاستوں کی خودمختاری کا یہ حیرت انگیز فیڈریشن ہے کہ جس میں قومی مدافعت کے لئے ایک مخصوص صوبہ اور ایک مخصوص طبقہ سے فوج بھرتی کیجاتی ہے۔"

ہندوستان کے باشندوں کو جنگی اور غیر جنگی میں تقسیم کرنا خود غرض پارٹیوں کا کام ہے جو بنیادی حقیقت کے خلاف ہے اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستانی فوج میں ہر صوبہ سے بھرتی کیجائے تاریخی[1] ثبوت موجود ہیں کہ مدراس اور بنگال کی فوج نے اپنی فوجی قابلیت کے بہترین جوہر

---

[1] بلاشبہ مدراسیوں کی شجاعانہ کارگذاریوں کے تاریخی ثبوت موجود ہیں۔ مسٹر ویسلیبیگ "کیمرج ہسٹری آف انڈیا" میں لکھتے ہیں کہ "فوج کے لئے وہ اعلیٰ قابلیت جسکے فقدان کی بنا پر مدراسیوں پر فوجی بھرتی کے سلسلہ میں پابندیاں عائد کر دی گئیں تھیں اعلیٰ حکام حربی صدی کے ہنگام سے پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی، اور جو اس فوج نے جس جنگی میدان میں قدم رکھا اس کی حقیقت ظاہر ہوتی گئی اور برما کی تیسری جنگ نے تو کام کو یقین دلا دیا کہ سوائے چند مستثنیات کے مدراس کی پیادہ فوج فن سپاہ گری کے لحاظ سے قطعاً بیکار ہے، شاید یہ وہی تاریخی ثبوت ہے جس کی طرف معاصر ہندوستان ٹائمز نے اشارہ کیا ہے ! ۱۲ منہ

دکھائے ہیں لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے اور ذمہ دار حکام نے یہ محسوس کیا کہ بعض صوبوں میں تعلیمی ترقی کے ساتھ لوگ اس قابل ہو گئے ہیں کہ حکومت کے ہر اقدام کی افادیت اور قیمت کا از خود اندازہ لگا لیں تو ذمہ دار حکام نے فوج کے لیے اسی خاص خطہ کو منتخب کر لیا۔

مسٹر جیٹو پادھیائے کونسل آف اسٹیٹ میں اس امر کی تحریک کرتے ہوئے کہ فوج بسوار، توپ خانہ اور ہوائی محکمہ میں صوبہ مدراس سے اچھے اور موزوں آدمی بھرتی کیے جائیں۔ گورنر جنرل سے درخواست کی تھی اسکے جواب میں سرڈاوڈ نے جنگی طبقات کا قصہ چھیڑ دیا۔ سرڈاوڈ نے جس انداز میں مدراس کا ذکر کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ بمبئی اور بنگال جیسے صوبوں میں انکے نزدیک جنگی قابلیت اور حربی اسپرٹ موجود ہی نہیں ہے! ایک ایسی ترمیم جس کا منشا یہ تھا کہ ان رقبوں سے جن کی نمائندگی فوج میں کافی نہیں ہے، معاملہ کو بالکل صاف کر دیتا ہے۔ مگر کمانڈر انچیف کی طرف سے اس مطالبہ کا کیا جواب دیا گیا؟ .... یہ خیال کہ آبادی کا ایک حصہ امن کے زمانہ میں اپنا فرض ادا کر سکتا ہے اور دوسرا حصہ جنگی مقاصد کی احسن طریقہ سے تکمیل کر سکتا ہے اس کا ہر جگہ مذاق اڑایا جائے گا (ہندوستان ٹائمز ۱۶ ستمبر ۳۴ء)

غور فرمایئے کہ ہندوستان ٹائمز کے مقالہ افتتاحیہ میں بھی اس بات کا رونا رویا گیا ہے کہ "نیشنل ڈیفنس" کے لیے فوجی بھرتی کا دروازہ تمام صوبوں پر کیوں نہیں کھولا جاتا۔ فوج کے لیے صرف ایک صوبہ کو اور ایک مخصوص فرقہ کو کیوں منتخب کر لیا گیا ہے؟ ہندوستان کو جنگی اور غیر جنگی طبقات میں تقسیم کر کے برطانیہ اپنے لیے اور ہندوستان کے لیے کیوں مشکلات پیدا کر رہی ہے اسی کے ساتھ مدراس بنگال اور بمبئی کے سورماؤں کی بہادری و شجاعت کا تذکرہ کیا جاتا ہے! ان واقعات کے بعد کس کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ فوجی بل کی مخالفت کو وطن پروری، امن پسندی اور حکومت دشمنی پر محمول سمجھے اور ہندوؤں کو ملک کا سب سے بڑا بہادر قرار دیدے؟

نتائج

ان تمام دستاویزوں پر جو اپنی جگہ مستند ہیں۔ غور کیجیے۔ اور بار بار غور کیجیے کہ فوجی بل کی مخالفت سے ہندوؤں کا منشا کیا تھا؟ کانگرسی گروپ نے یک زبان ہو کر کیوں اسکے خلاف طوفان کھڑا کیا اور جگہ جگہ کیوں

فوجی بھرتی کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔ ا۔ ب ذرا نتائج پر ایک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ پہلے تو

(۱) مخالفت میں یہ دلیل پیش کی کہ بل مدنی حقوق اور آزادئ تقریر و تحریر پر ایک کاری ضرب ہے جسے ہندوستان کا قومی شعور برداشت نہیں کر سکتا۔ حالانکہ خود کانگریسی صوبوں میں آزادئ رائے کی مٹی پلید کیجا رہی ہے اور آزادئ رائے اور حریت تحریر و تقریر پر پابندیاں عائد کیجا رہی ہیں۔

(۲) پھر مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے اور مسلم لیگ کو بدنام کرنے کے لئے اپیل کی گئی کہ ہندوستانی فوج کو فلسطین کے عربوں کے خلاف استعمال کیا جائیگا۔ اور سرحدی قبائل پر اس کے ذریعہ بمباری کیجائیگی گویا کانگریسی ہندو اسلامی سیاست اور مسلمانوں کے بڑے ہی ہمدرد ہیں اور وہ ہندوستانی فوج کو ان مقاصد کے لئے استعمال کرنا نہیں چاہتے۔ مگر واقعات نے ثابت کر دیا کہ

(۱) فوجی بل کی مخالفت اس لئے کی گئی کہ حکومت کی پالیسی فوج کو ہندو بنانے کے خلاف ہے۔

(۲) مرکزی اسمبلی میں اور کونسل آف اسٹیٹ میں حکومت پر زور ڈالا گیا کہ وہ اپنی موجودہ پالیسی کو ترک کر کے تمام صوبوں کو فوجی اور جنگی حقوق عطا کرے اور صوبہ مدراس، یوپی، بنگال اور بمبئی سے بھی فوج میں سپاہی بھرتی کرے۔

(۳) مرکزی اسمبلی میں ہر کانگریسی ممبر نے حکومت کے خلاف یہ فرد جرم عائد کی کہ وہ صرف پنجاب سے اور پنجاب سے بھی صرف ایک فرقہ (یعنی مسلم) کے لوگوں کو کیوں فوج میں بھرتی کرتی ہے اس کو چاہئے کہ جنگی اور غیر جنگی طبقات کا امتیاز قائم نہ کرے اور ہر صوبہ کی فوجی قابلیت سے فائدہ اٹھائے۔

(۴) اسمبلی میں حکومت پر زور ڈالا گیا کہ وہ جنگ کے موقع پر ہندوستان کی حفاظت کے لئے صوبوں کو بھی فوجی امداد کی اجازت دے یعنی کانگریسی صوبے خود فوجی بھرتی کا کام حسب منشاء شروع کر دیں اور حکومت ان کی فوجوں سے ہندوستان کی حفاظت کا کام لے۔

(۵) اسمبلی میں کہا گیا کہ سوال فوجی بھرتی کا نہیں ہے بلکہ اس بات کا ہے کہ حکومت ہندوستان کی اکثریت سے اس معاملہ میں مشورہ کیوں نہیں کرتی؟ اگر حکومت ہند لیڈروں سے کانگریس اور مہاتما گاندھی سے درخواست کرے کہ وہ آجکل بڑی مصیبت میں مبتلا ہے اسلئے فوج کے لئے آدمی مہیا کئے جائیں تو کانگریس اور کانگریسی ہندو فوجی بھرتی کی مخالفت نہیں کرینگے اور ہندوستان برطانیہ کا معتمد علیہ حلیف بنجائیگا

(۶) ڈاکٹر مونجے کا فوجی کالج ہندو نوجوانوں میں فوجی اسپرٹ پیدا کر رہا ہے۔ صدر ہندو مہا سبھا ہندو فوج قائم کرنے کا وعظ ہندوستان بھر میں کرتے پھرتے ہیں۔ گویا ایک طرف خود فوجی مہم کے لئے تیاری اور دوسری طرف فوجی بل کی مخالفت جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہندو ہندوستانی فوج پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) صوبہ یو۔پی۔ سی۔پی۔ مدراس۔ بہار وغیرہ کی حکومتوں کی اسکیم کہ صوبوں میں فوجی کالج کھولے جائیں طلبا کی فوجی تربیت کیجائے اور ان کو جنگ کے لئے تیار کیا جائے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہندو حکومت کی موجودہ پالیسی اور جنگی اور غیر جنگی تقسیم کے خلاف خود فوج مرتب کرنا اور اس سے کام لینا چاہتے ہیں۔

(۸) اسمبلی میں کانگریسی ہندوؤں کے بیانات نہایت واضح ہیں۔ ان کے بعد قوم پرست اور کانگریسی اخباروں کا درجہ ہے جنھوں نے نہایت صفائی سے بتا دیا کہ ہندوؤں کا اصل اعتراض یہ ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں کو زیادہ تعداد میں فوج میں کیوں بھرتی کیا جاتا ہے۔ آخر مدراس، بمبئی اور یوپی کے صوبہ بھی تو وہاں کے سورماؤں نے برطانی حکومت کے آغاز میں اپنی جنگی قابلیت کے جوہر دکھائے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ فوج میں مسلمانوں کا تناسب ۷۰ فیصدی ہے؟ حالانکہ مدراس کو سب سے زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے مگر وہاں کے باشندوں (ہندوؤں) کو فوج میں بھرتی نہیں کیا جاتا؟ زیادہ صفائی کے ساتھ یہ کہ مسلمانوں کی جگہ سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں کو کیوں نہیں دیجاتی اور صرف مسلمانوں پر فوجی نوازشات کرکے حکومت اپنے لئے اور ہندوستان کے لئے کیوں مصیبت مول لے رہی ہے؟

مسلم لیگ اور فوجی بل

ہم نے مسلم لیگ کی نسبت ابھی تک اپنے کسی خیال کا اظہار نہیں کیا کیونکہ یہ بحث ہمارے اصلی موضوع سے خارج ہے۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ کانگریسی ہندو اسمبلی میں فوجی بل کی مخالفت کرکے ہندوستان پر اور خصوصاً مسلمانوں پر جو "وقت کرم داشتن" کا احسان رکھنا چاہتے تھے، وہ سرتاسر خود غرضی، مسلم دشمنی اور فرقہ پرستی پر مبنی تھا اور اصل منشا یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام صوبوں سے ہندوؤں کو فوج میں بھرتی کرنے کا اصول تسلیم کرلیا جائے اور سکھوں مرہٹوں اور جاٹوں کی اکثریت سے ہندوستان میں ایک ایسی فوج کی تشکیل دیجائے جس میں مہاتما گاندھی اور کانگریس کا پورا پورا ہاتھ ہو۔

رہا مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کا رویہ اور اس کی جانب سے فوجی بل کی حمایت سو اسکے متعلق ہم اپنی طرف سے کچھ کہنا نہیں چاہتے اور درحقیقت کانگریس اور ہندوؤں کی نسبت بھی ہم نے ابھی تک اپنی طرف سے کچھ

نہیں کہا ہے بلکہ دوسروں کے منہ سے اگلوایا ہے اسی طرح اس امر کا فیصلہ بہی ہم دوسروں پر ہی چھوڑتے ہیں کہ مسٹر جناح نے فوجی بل کی کہاں تک حمایت کی ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے اس حمایت کا مرتبہ کیا ہے کانگرس کے ایک ذمہ دار رکن مسٹر ایم کے سنانم اسکے متعلق اپنا فیصلہ اس طرح صادر کرتے ہیں:۔

"حکومت ہند کو فوجی بل کی حمایت بہت ہی گراں پڑی ہے۔ اسے ان ترمیموں کو منظور کیا ہے جنہوں نے بل کی رُوح سلب کرلی ہے۔ اس کا نفاذ صوبائی حکومتوں کی منظوری کے بغیر نہیں ہوسکے گا اسی طرح جس کسی شخص پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا جائے گا اس کی منظوری صوبہ کی حکومت سے حاصل کرنی ہوگی۔ علیٰ ہذا سزا کی میعاد میں بہی تخفیف کرکے صرف ایک سال مقرر کردیگئی"........

"اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی نے بل کی صحیح طور پر حمایت نہیں کی بلکہ اس نے ایک ایسا مشکوک رویہ اختیار کیا جسکا منشا مسٹر جناح کی قیادت کا بچاؤ تہا۔ کانگرس ورکنگ کمیٹی ان کو مسلمانانِ ہند کا نمائندہ تسلیم کرنے سے انکار کرچکی ہے اور لیگ پارٹی اسکے اقتدار کو قایم رکہنا چاہتی تھی"

"اس رویہ سے لیگ کو چند روز کے لیے خوشی حاصل ہوجائیگی کہ اُسنے اسمبلی کے اندر کانگرس پارٹی کو شکست دیدی اور حکومت کو باور کرادیا کہ اگرچہ وہ اقلیت میں ہے مگر اس نے اسمبلی میں اپنا توازن قایم کرلیا ہے۔" (ہندوستان ٹائمز مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۸ء)

یہ شہادت کسی مسلمان کی نہیں کسی مسلم لیگی کی نہیں کسی "ٹوڈی اور رجعت پسند" کی نہیں بلکہ کانگرس کے ایک ذمہ دار رکن کی ہے کہ مسلم لیگ نے بل کی حمایت تو کی مگر ساتھ ہی اس کی رُوح ہی نکال لی اور دراصل بل کی حمایت کرنا اسکا مقصد ہی نہ تہا بلکہ کانگرس کی حماقتوں کا ردعمل تہا جو اس سے ظہور میں آیا! رہا یہ معاملہ کہ فوج کو فلسطین، وزیرستان اور دیگر اسلامی ممالک کے خلاف استعمال کیا جائے گا تو اسکا جواب صرف اتنا ہے کہ ہندو جو چاہیں توجیہات قایم کرلیں مگر مسلمانوں کے سامنے تو قرآن کریم کا یہ ارشاد موجود ہے

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُهُ جَهَنَّمُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۔

جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کریگا اسکا ٹھکانا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیگا!

نیز یہ حدیث شریف:۔

سباب المسلم فسوق وقتاله كفر

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کفر ہے۔

مگر ہاں! یہ تو ارشاد ہو کہ کانگرس نے ہمیشہ "فرقہ پرستوں" کو یہ الزام دیا ہے کہ وہ ملازمتوں کے پیچھے پیچھے دوڑے پھرتے ہیں اور آبادی کے تناسب سے حقوق مانگ کر قوم پرورانہ معیار سے بہت نیچے گر گئے ہیں۔ وہ دیکھے کہ اسمبلی کے مباحثہ میں کانگرسی لیڈروں نے کیا اسی کا رونا نہیں رویا کہ فوج میں آبادی کے تناسب سے تمام فرقوں کو ملازمتیں ملنی چاہئیں اور صرف ایک فرقہ کے لوگوں کو فوج میں بھرتی کرنے کی پالیسی حکومت کو ترک کر دینی چاہیے؛ فيها آيات لقوم يعقلون۔

سوراجی اسلام

سیاسیات ہند میں تہلکہ ڈالنے والی کتاب جس نے کانگریسی لیڈروں کے عزائم کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے "الہلال" کے دور اول میں مولانا ابوالکلام آزاد کے خیالات کیا تھے اور اب کیا ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن کو مٹانے کی کیا کیا ترکیبیں ایجاد کی جا رہی ہیں، غرض کتاب کیا ہے موجودہ سیاست کا آئینہ ہے۔

قیمت فی نسخہ ۲ محصول ۔/

منیجر

طلوع اسلام دہلی بلیماران

حقایق وعبر

رازی

(۱) قضیۂ فلسطین

جولائی ۱۹۳۷ء کے آخری ہفتہ میں تقسیم فلسطین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے مسلمانان لاہور کا ایک عام جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت علامہؒ بوجہ ناسازی طبیعت خود تو تشریف نہ لا سکے لیکن انہوں نے ایک بیان ارسال فرمایا جس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

"میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ جو بے انصافی ہو رہی ہے اسے میں ایسی ہی شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں جیسے کوئی اور صاحب درد جو مشرق قریب کی سیاست سے واقف ہو۔ اس میں شبہ نہیں کہ انگریزوں کو اب بھی بیدار کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے انگلستان کے نام پر جو وعدے عربوں سے کر رکھے ہیں انہیں ایفا کریں۔ یہ امر باعث اطمینان ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ نے ہنوز تقسیم فلسطین کے مسئلہ کا آخری فیصلہ نہیں کیا۔ اس لیے ابھی مسلمانان عالم کے لئے موقعہ ہے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کر دیں کہ جس مسئلہ کا حل مدبرین تلاش کر رہے ہیں وہ صرف فلسطین کا مسئلہ نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی کا مسئلہ ہے۔

مسئلہ زیر نظر کو اگر تاریخی زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک خاص اسلامی مسئلہ ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ کی رو سے فلسطین کا مسئلہ حضرت عمرؓ کے داخلہ بیت المقدس سے بہت عرصہ پیشتر ہی یہودی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ جیسا کہ پروفیسر ہاکنگ نے بتایا ہے فلسطین سے یہودیوں کی ہجرت بالکل رضاکارانہ تھی اور ان کے مذہبی صحائف کا بیشتر حصہ اس ارض مقدس سے باہر لکھا گیا تھا۔ نہ ہی یہ مسئلہ عیسائیوں کا مسئلہ ہے جدید تاریخی تحقیقات کی رو سے تو راہب پطرس کے وجود تک میں بھی شبہ ہونے لگ گیا ہے۔ اگر اسے فرض بھی کر لیا جائے کہ صلیبی لڑائیاں اس امر کی کوشش ناتمام تھی کہ فلسطین کو عیسائیوں کا مسئلہ بنا لیا جائے تو صلاح الدینؒ

کے فتوحات نے اس مقصد کو پاش پاش کرکے رکھدیا تھا۔ ان حالات کے ماتحت میں تو فلسطین کے مسئلہ کو خالص اسلامی مسئلہ قرار دیتا ہوں۔

مسلمانان مشرق قریب کے متعلق برطانوی ملوکیت کے دل میں کیا کیا منصوبے ہیں۔ ان کی نقاب کشائی جس طرح رائل کمیشن کی رپورٹ نے کی ہے۔ اس سے پیشتر کم ہی ایسا ہوا ہوگا۔ فلسطین کو یہودیوں کا مسکن بنانے کا تخیل تو محض ایک آڑ تھی۔ درحقیقت برطانوی ملوکیت مسلمانوں کی ارض مقدس میں خود اپنا ڈیرا جمانا چاہتی تھی۔ لیکن جیسا کہ برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے کہا ہے۔ یہ ایک نہایت خطرناک تجربہ ہے جو انگریزوں کی بحیرہ روم کی مشکلات کا حل نہیں بن سکتا۔ مشکلات کا حل تو ایک طرف۔ یہ مسئلہ تو برطانوی ملوکیت کی آئندہ مشکلات کا پیش خیمہ ہے۔ ارض مقدس اور مسجد عمرؓ کی فروخت۔ جو عربوں کو مارشل لا کے ڈنڈوں کے زور سے اور انکی فیاضی کے جذبات کو اپیل کرکے حاصل کی گئی ہے۔ کسی عمدہ تدبر کا ثبوت نہیں دیتی۔ بلکہ یہ اس امر کی آئینہ دار ہے کہ انگریز کی سیاسی بصیرت کا کس طرح سے دیوالہ پٹ گیا ہے ایک قیمتی زرخیز زمین کا یہودیوں کے حوالہ کر دینا اور بے برگ و گیاہ صحرا کا ایک قطعہ۔ معہ چند دراہم کا سد عربوں کو دیدینا کسی صورت میں بھی سیاسی بصیرت نہیں کہلا سکتی۔ یہ ایک نہایت گرا ہوا سودا ہے جو اس بلند پایہ قوم کے ہرگز شایانِ شان نہیں اور ان کی عزت کو بٹہ لگا رہا ہے جس قوم کے نام پر عربوں کو آزادی کے وعدے دیئے گئے تھے۔

میرے لئے مشکل ہے کہ میں اس مختصر بیان میں فلسطین رپورٹ کی جزئیات پر بحث کرسکوں۔ لیکن دور حاضرہ کی تاریخ مسلمانان ایشیا کے لئے عبرت و بصیرت کے ایسے واقعات پیش کرتی ہے جن سے انہیں سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ تجربہ نے اس بات کو واضح کردیا ہے کہ مشرق قریب کی اقوام کا سیاسی وجود اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ عرب اور ترک فوراً متحد ہو جائیں۔ ترکوں کو باقی مسلمانان عالم سے علیحدہ رکھنے کی پالیسی اب تک کارفرما ہے۔ چنانچہ ہم آئے دن سنتے رہتے ہیں کہ ترکوں نے اسلام کو ترک کر دیا ہے۔ ھٰذا کذب عظیم۔ یہ ایک عظیم الشان افترا ہے۔ اس قسم کے شرانگیز پروپیگنڈا کا شکار وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہیں فقہ اسلامی کے لٹریچر کی صحیح تاریخ کا علم نہیں۔ وہ عرب جن کا مذہبی شعور اسلام جیسے مذہب کا اولین گہوارہ بنا

کہ جس مذہب نے نمایاں کامیابی کے ساتھ ایشیا کی مختلف اقوام کو باہمدگر پیوست کر دیا۔ وہ ان عواقب و نتائج کو کبھی بھول نہیں سکتے جو آزمایش کی گھڑی میں۔ ترکوں کا ساتھ چھوڑ دینے کی وجہ سے انکے سامنے آئے

پھر عربوں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ انہیں ان عرب سلاطین کے مشوروں پر کبھی اعتماد نہیں کرنا چاہیئے جو خود اس قابل نہیں ہیں کہ ضمیر کی آزادی کے ساتھ مسئلہ فلسطین کے متعلق ایک آزاد رائے قائم کر سکیں فلسطین کے عربوں کو جو کچھ بھی فیصلہ کرنا ہو۔ معاملات کو سوچ سمجھ کر خود اپنی بصیرت کے ماتحت فیصلہ کرنا چاہیئے۔

پھر موجودہ وقت ایشیا کے مجموعی اسلامی ممالک کے سیاسی مدبرین کے لئے بھی بڑی آزمایش کا وقت ہے الغائے خلافت کے بعد۔ یہ مسئلہ سب سے پہلا سیاسی اور مذہبی بین الملی مسئلہ ہے جس کا سامنا کرنے کے لئے تاریخی شواہد انہیں مجبور کر رہے ہیں۔ مسئلہ فلسطین شاید انہیں مجبور کر دے کہ وہ سوچیں کہ برطانوی۔ فرانسیسی ادارہ۔ جس کا غلط نام لیگ اوف نیشنز رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا ممبر رہنے میں ان کی پوزیشن کیا رہتی ہے۔ اور شاید یہی مسئلہ ان کے لئے ایک مشرقی اقوام کی لیگ" قائم کرنے کی عملی تجاویز پر غور کرنے کا محرک بن جائے"

یہ جولائی ۱۹۳۷ء میں کہا گیا تھا۔ بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ عالم اسلامی کے اس مفکر اعظم کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر دور رس نگاہ بصیرت عطا فرمائی تھی۔ کہ جو حوادث ہنوز پردہ افلاک میں چھپے ہوتے ان کا عکس اس کے آئینہ ادراک میں بہت پہلے آجاتا۔ سب سے اہم چیز جس کی طرف اس بیان میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عربوں نے عین وقت پر جو ترکوں کا ساتھ چھوڑا۔ تو انہیں اس کا خمیازہ اس طرح بھگتنا پڑا۔ آیئے ہم یہ بھی دیکھیں کہ وہ کونسی سازش تھی جس نے عربوں سے ترکوں کا ساتھ یوں چھڑوا دیا۔ وہ کونسی حکمت عملی تھی جس کی وجہ سے عرب اپنوں سے کٹ کر بیگانوں کے ہو گئے۔ سینٹ فلبی نے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا۔

"۱۹۱۳ء میں شریف حسین کا بڑا لڑکا امیر عبداللہ اپنے چھوٹے بھائی فیصل کے ساتھ قسطنطنیہ جاتے ہوئے مصر سے گذرا۔ لارڈ کچنر جو اس وقت مصر میں برطانوی ایجنٹ تھا۔ اس نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور ازراہ تواضع امیر عبداللہ کو الوداع کہنے کے لئے ملا۔ اور مسٹر اسٹورس کی معیت میں (جو اب سر ہیں) سلطنت حجاز کے اس نمایندہ کا اس باب میں شکریہ ادا کیا کہ اس کے والد شریف حسین۔ برطانوی

ہندوستان سے مکہ جانے والے حاجیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ گفتگو نہیں ہوئی۔ بایں ہمہ اس ملاقات سے آئندہ گفت وشنید کا دروازہ ضرور کھل گیا۔ امیر عبداللہ نے ترکی جانی کمشنر مقیم قاہرہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی کیونکہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اور یقیناً اس قابل کہ اسے بنظر استصواب دیکھا جاتا۔ اس واقعہ کو ایک سال گذر گیا۔ جولائی ۱۹۱۴ء میں امیر عبداللہ پھر قاہرہ سے گزرا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جنگ کے بادل افق یورپ پر منڈلا رہے تھے۔ لارڈ کچنر پھر امیر عبداللہ سے ملا اور اس دفعہ نہایت احتیاط سے سیاسیات پر بھی بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو امیر عبداللہ قسطنطنیہ میں تھا۔ ۲۲۔ اگست ۱۹۱۴ء کو وہ پھر قاہرہ میں واپس آیا۔ لارڈ کچنر اس وقت وہاں موجود نہ تھا۔ لیکن مسٹر سٹورس نے امیر عبداللہ کو۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے۔ اس کے والد کے نام ایک خط دیا اور دوستانہ گفتگو کے ضمن میں یہ بھی جتا دیا کہ حکومت برطانیہ اس بات کی مخالفت نہیں کرے گی کہ عربوں کو پھر سے خلافت مل جائے۔ اس دانہ کو پھینکے ہوئے ایک ماہ گذر گیا تو مسٹر سٹورس نے ایک معتبر قاصد کے ہاتھوں حسب ذیل مضمون کا خط امیر عبداللہ کے پاس بھیجا:۔

"لارڈ کچنر۔ شعبہ جنگ کے سکرٹری نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ سے دریافت کروں کہ کیا آپ عربوں کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں ابھی تک اسی خیال پر قائم ہیں۔ ہز مجسٹی موصوف نے پہلے آپ کو جواب دے دیا تھا کہ وہ اس بارے میں آپ کی مدد نہیں کرینگے۔ لیکن اب چونکہ ترکوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ضرور لڑائی میں ہمارے دشمنوں کا ساتھ دینگے۔ اس لئے اب یہ بات برطانوی حکومت کے اختیار میں ہے کہ وہ آپ کو ہر قسم کی امداد دے"

اس خط کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا تو دو ہفتہ بعد مسٹر سٹورس نے ایک اور خط میں لکھا کہ "چونکہ ترکوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ لڑائی میں جرمن کا ساتھ دینگے۔ لہذا یہ موقعہ نہایت موزوں ہے کہ عرب اپنے مطالبات حاصل کر لیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میرے پہلے عریضہ کا جواب نہیں دیا۔ اب مجھے امید ہے کہ آپ میرے سوال کا جواب جلد مرحمت فرمائیں گے"

اس خط کا نہایت مختصر اور مبہم سا جواب موصول ہوا۔ جس کے بعد مسٹر سٹورس نے تیسرا خط لکھا کہ

اب چونکہ ترک۔ جرمن کے ساتھ میدان جنگ میں اتر آئے ہیں۔ اس لئے ہم شریف مکہ کی

ہر طرح سے مدد کرنے پر تیار ہیں"

امیر عبداللہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ "یہ بات میرے والد کے اختیار میں نہیں ہے۔ تاوقتیکہ وہ عربوں کے ساتھ مشورہ نہ کرلیں" اس کے ساتھ ہی اس نے وعدہ کیا کہ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں حتمی تجاویز لکھ کر بھیجیگا۔

امور بالا سے واضح ہوگیا ہوگا کہ عربوں کے ساتھ اس قسم کے عہد و پیمان کی ابتدا خود انگریزوں کی طرف سے کی گئی تھی۔ ترک عربوں کو بہت کچھ دینے پر آمادہ تھے۔ لیکن انگریزوں نے جو گفت و شنید ۱۹۱۵-۱۶ میں عربوں کے ساتھ کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز اُن کو ہزار کچھ دینے کا وعدہ کئے جاتے تھے۔ شریف حسین نے سب سے پہلے یہ شرط پیش کی تھی کہ عدن کو چھوڑ کر باقی تمام عربی ممالک کی کامل آزادی کو تسلیم کرلیا جائے۔ سر ہنری مک ماہن نے اپنے مشہور و معروف خط (مورخہ ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۱۵ء) میں اس شرط کو خفیف سی ترمیمات کے ساتھ منظور کر لیا تھا۔ شریف حسین خوش تھا کہ انگریزوں نے ترکوں سے کہیں زیادہ وعدے دے دیئے ہیں۔ اور کسی کو اس بات کا گمان تک بھی نہ تھا کہ فتح کے بعد یہ وعدے پورے نہیں ہونگے۔ شریف حسین خلیفۃ المسلمین کے باغی کی حیثیت سے ترکوں کے خلاف میدان جنگ میں اتر آیا۔ لیکن ۱۹۱۶ء میں انگریزوں، فرانسیسیوں اور رُوسیوں نے۔ شریف حسین کے مشورہ کے بغیر ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے ان تمام مواعید میں جو مک ماہن نے اپنے خطوط میں عربوں سے کر رکھے تھے۔ نمایاں تبدیلیاں کر ڈالیں۔ یہ وہ وقت تھا جب انگریزی حکومت یہودی لیڈروں کے ساتھ ساز باز کر رہی تھی۔ کہ انہیں فلسطین واپس دلا دیا جائے گا۔ قریب اٹھارہ ماہ تک عرب نہایت جاں فشانی سے ترکوں کے خلاف انگریزوں کی طرف سے لڑے" اس عرصہ میں انگریزوں نے ان کے کان میں بھنک تک نہ پڑنے دی کہ اتحادیوں نے ان تمام وعدوں کو توڑ مروڑ کر فسخ کر ڈالا ہے۔ جو ان سے اس سے قبل کئے گئے تھے۔ عربوں کو اس بات کا علم نومبر ۱۹۱۷ء میں ہوا جب رُوس کی بالشویک حکومت نے ۱۹۱۶ء کے مذکورہ صدر خفیہ معاہدہ کو شائع کردیا۔ چونکہ راز کھل چکا تھا اس لئے انگریزوں نے بلفور کا اعلان بھی شائع کر دیا۔ اُس کے ایک

ماہ بعد بیت المقدس بھی فتح ہوگیا جیسا کہ رائل کمیشن نے خود تسلیم کیا ہے۔ اس فتح میں عربوں کی امداد شک وشبہ سے بالاتر تھی۔ شریف حسین کو انگریزوں کی خفیہ چالوں کا پتہ تو چل گیا لیکن اُس کے لئے اب حالت یہ تھی کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ فتح دمشق کے بعد لڑائی قریب قریب ختم ہوگئی۔ اور اب "مالِ غنیمت" کے حصے بخرے ہونے شروع ہوئے۔ فرانس اور برطانیہ دونوں کی نگاہ اس عرب پر تھی۔ جس کی امداد ان کی فتح کا باعث بنی تھی۔ اس غرض کے لئے اب گذشتہ عہد و میثاق کے الفاظ کو نئے معانی کا جامہ پہنایا جانے لگا۔ آزادی کی جگہ انہیں انتداب (MANDATE) کا پروانہ دیا گیا۔ اور عرب کا ایک حصہ یہودیوں کا مسکن بنانے کے لئے مختص کر دیا گیا۔"

دورِ تہذیب کی اس داستانِ عدل و انصاف میں ایک ورق کی ابھی اور گنجائش تھی۔ وہ کس طرح سے لکھا گیا۔ یہ لارڈ ہیلی فیکس (یعنی سابق وائسرائے ہند لارڈ ارون) کی زبانی سنیئے۔ انہوں نے ۲۹ جنوری ۱۹۳۶ء کو عرب کے لارنس کے مجسمہ کی نقاب کشائی کرتے ہوئے فرمایا۔

"لارنس۔ بیسویں صدی کے صلیبی جنگ کے مجاہد کی حیثیت سے۔ ان اقوام و مقاصد کی خاطر جو اس کے نام کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہیں گے۔ آکسفورڈ سے مشرق کی جانب روانہ ہوا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ لارنس کی زندگی کا یہ شعبہ اُس وقت شروع ہوا جب کہ اس کا ملک ایک سخت آزمائش کے مرحلہ سے گذر رہا تھا۔ جو اسکے لئے اس قدر شاندار خدمات سرانجام دینے کا موجب بنا۔ وہ ایک مدت سے فلسطین اور عرب کے باشندوں کو آزادی دلانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ جنگِ عظیم کے ردِ عمل کے ذریعے سے اس کے یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوگئے۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگوں نے اس کام میں حصہ لیا۔ لیکن۔ جیسا کہ اُس کے رفقائے کار کو خود تسلیم ہے۔ اس بغاوت کی آتشیں رُوح لارنس ہی تھا جس نے ترکوں کے استبداد اور بدنظمی کی زنجیروں کو توڑ کر صحرا نشینوں کو پھر سے آزاد کرا دیا۔"

نوع انسانی پر بالعموم۔ اور فلسطینی عربوں پر بالخصوص اس "مجاہد اعظم" کے کس قدر عدیم النظیر احسانات ہیں، یہ الگ بات ہے کہ وہ

ترکانِ جفا پیشہ کے پنجہ سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار
(اقبال)[1]

اپنوں سے کٹ کر غیروں سے مل جانے کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ فلسطین کے عربوں نے تو پھر اپنی نظیر آپ مثال شجاعت۔ بسالت۔ مجاہدت۔ عزم راسخ۔ استقلال۔ تمنائے موت۔ ذوقِ شہادت۔ اجتماعیت۔ مرکزیت۔ سمع و طاعت سے اپنی غلطی کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اور جیسا کہ حضرت علامہؒ نے فرمایا تھا۔ بعید نہیں کہ ان کی قربانیاں دول عربیہ میں بالخصوص اور تمام عالم اسلامی میں بالعموم اتحاد و یک جہتی کی وہ روح پھونک دیں کہ جس سے تمام دنیائے اسلام میں ایک حیاتِ تازہ پیدا ہو جائے۔ لیکن۔ اے کاش۔ اس سے کہیں ہندوستان کا فریب خوردہ مسلمان بھی کچھ سبق حاصل کرے۔ اور سمجھ لے کہ خواہ انگریز ہو خواہ ہندو۔ مسلمان کا کوئی دلی دوست نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ اس خدا کا فیصلہ ہے جو سینوں کے راز سے واقف ہے۔ جب اس نے فرما دیا کہ لایالونکم خبالا۔ یہ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے تو اس میں تمام غیر مسلم شامل ہیں۔ اور مولانا حسین احمد صاحب یہ فرما کر کہ "جواہر لال ہندو ہے۔ اس کے باوجود وہ مسلمانوں کا تحفظ چاہتا ہے"[1] اپنی بات کی پچ تو کر سکتے ہیں۔ لیکن قرآنی حقائق کو نہیں جھٹلا سکتے۔ یاد رکھیے جہاں مسلمانوں کو اپنوں سے الگ کر کے غیروں کے ساتھ ملانے کا منصوبہ دل میں ہوگا۔ وہیں کوئی نہ کوئی لارنس

---

[1] زمزم مورخہ ۷ جولائی ۱۹۳۸ء

موجود ہوگا۔ کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی　(اقبال)

(۴) مخلوط انتخاب کی برکتیں

آپ کو یاد ہوگا کہ مہاتما گاندھی کو جب خدشہ پیدا ہوا کہ اچھوت اس سلوک کی بنا پر جو ہندو جاتی قرنہا قرن سے ان کے ساتھ روا رکھتی چلی آرہی ہے، کہیں "سیاسی اچھوت" ہی نہ بن جائیں اور ہندوؤں سے الگ ہو کر اپنے جداگانہ قومی تشخص کا دعویٰ نہ کر دیں جس سے ہندوؤں کی اکثریت اقلیت میں تبدیل ہو جائے اور سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے تو ان کا قلبِ حزیں اس مظلوم فرقہ کی زبوں حالی سے تڑپ اٹھا اور انہوں نے پونا میں مشہور پران تیاگ برت رکھا جس میں یہ کہا کہ اگر کمیونل اوارڈ کے سلسلہ میں اچھوتوں نے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تو میں جان دے دوں گا۔ کچھ حضرات پنچ بن کر آگئے اور انہوں نے اچھوتوں سے کہا کہ دیکھو اتنی سی بات پر ایسی عظیم الشان ہستی کی جان خطرے میں ڈال دینا کہاں کی انسانیت ہے۔ تم اپنے مطالبہ کو چھوڑ دو۔ مہاتما جی وعدہ کرتے ہیں۔ اور تمام ہندو جاتی اس وعدہ پر گواہ ہے کہ تمہیں اونچی ذات کے ہندوؤں کے برابر حقوق دیئے جائیں گے۔ اور کسی معاملہ میں تفریق نہیں کی جائے گی۔(۱) فلسطین کے عربوں کی طرح یہ بیچارے بھی ان وعدوں پر اعتبار کر بیٹھے اور مخلوط انتخاب پر رضامند ہو گئے۔ اس کے بعد آج تک ان وعدوں کو کس طرح سے نباہا گیا۔ یہ داستان طول طویل ہے۔ لیکن اس کا اندازہ ایک حال ہی کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ اچھوتوں کے لیڈر مسٹر ایم۔ سی۔ راجہ نے مدراس اسمبلی میں ایک بل پیش کرنا چاہا جس سے مقصد یہ تھا کہ مدراس کے مندروں میں اچھوتوں کے داخلہ پر کوئی پابندی نہ عائد کی جائے۔ مدراس کے وزیر اعظم مسٹر راجہ گوپال اچاریہ نے اس بل کا

---

(۱) لارنس کے ایک بھائی "پیک پاشا" (مسٹر ایف۔ جی۔ پیک) آج کل بھی خیر سے فلسطین میں عربوں کے بہی خواہ کی حیثیت سے موجود ہیں۔ اگلے نومبر ٹائمز آف انڈیا (مصور) میں ان کا فوٹو شائع ہوا تھا۔ ہندوستان کی تحریک آزادی کی جب تاریخ لکھی جائے گی تو خدا معلوم اُن میں کتنے لارنس اور کتنے پیک پاشا نظر آئیں گے۔

مسودہ تیار کیا مہاتما جی نے اس کو بہت سراہا۔ بل اسمبلی میں پیش ہوا۔ لیکن مسٹر ایم۔ سی۔ راجہ کیا دیکھتے ہیں کہ خود جناب وزیر اعظم اُس کی مخالفت میں کھڑے ہوگئے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ انکی اپنی جماعت کے اچھوت ممبران کی مخالفت میں کانگریسی اراکین کے ساتھ ووٹ دے رہے ہیں۔ چنانچہ بل مسترد ہوگیا۔ اس واقعہ پر مسٹر راجہ اور مہاتما گاندھی کے درمیان ایک مختصر سی خط و کتابت ہوئی ہے جو ارباب بصیرت کے لئے فکر و تدبر کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ مسٹر راجہ نے اپنے خط میں مہاتما جی کو لکھا۔

"آپ کو یاد ہوگا کہ جب ہمارے فرقہ کی اکثریت جداگانہ انتخاب کے حق میں تھی تاکہ وُہ اسمبلی میں آزادانہ طور پر اپنے حقوق کی محافظت کرسکے تو آپ نے ان کو ہندوؤں کے دائرے کے اندر رکھنے کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگادی۔ جس پر میں اس فرقہ کو مخلوط انتخاب پر آمادہ کرنے کے لئے ایک بڑی حد تک ذمہ دار بنا۔ لیکن شرط یہ تھی کہ اس بارے میں کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی کہ ہم اپنی منشاء کے مطابق اپنے نمائندگان کا انتخاب کریں تاکہ وُہ اپنے جذبات و خیالات کی صحیح ترجمانی کرسکیں۔ اس داستان کا آپ کو بھی علم ہے اور مجھے بھی۔ لیکن میں نے اسے دہرایا اس لئے ہے کہ میں آپ پر واضح کردوں کہ ہم اس میثاق پر کس طرح سے پابند رہے ہیں اور اُس کے برعکس مدراس کی کانگریس پارٹی کس طرح اس سے پیچھے ہٹ گئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خود ہماری جماعت کے نمائندگان کو اونچی ذات کے ہندوؤں کی کورانہ تقلید کرنی پڑ رہی ہے۔ اور وُہ معاملات جن کا ہماری جماعت پر سخت مضر اثر پڑتا ہے ان میں بھی وہ بچارے کس طرح حکومت کا ساتھ دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ انتخابات کے شروع میں ہی مَیں نے اس بات کے خلاف احتجاج کیا تھا کہ کانگریس اچھوتوں میں سے اپنے مطلب کے آدمی چنکر نامزد کررہی ہے۔ اسپر آپنے کہا تھا کہ میں اپنی جماعت کو ان شرائط کے ماتحت انتخاب کے اندر شامل ہونے دوں جو مسز ستیہ مورتی نے پیش کی تھیں۔ ان شرائط میں ایک یہ بھی تھی کہ ان معاملات میں

جو اچھوتوں سے متعلق ہوں یہ ضروری نہیں کہ اچھوت کانگریس پارٹی کی ہمنوائی میں ووٹ دیں۔ بلکہ وُہ اپنے جداگانہ فیصلہ کے ماتحت ووٹ دیا کرینگے۔ لیکن مدراس اسمبلی میں مندروں کے داخلہ کے بل پر جو بحث ذمیں ہوئی ہے اس نے اس مکروہ حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ اچھوتوں کے نمائندوں نے۔ کانگریس پارٹی کے ربط وضبط کے ماتحت کسطرح اس بل کی مخالفت میں ووٹ دیئے ہیں جو خود ان کے اپنے مفاد میں تھا۔ کیا کوئی بات اس سے بھی زیادہ غیر فطری اور ذلت آفریں ہو سکتی ہے؟ اس سے تو صاف عیاں ہے کہ اونچی ذات کے ہندؤں نے کسطرح اچھوتوں کے نمائندوں کو اپنی مرضی کے تابع کر رکھا ہے۔ آپکو معلوم ہی ہے کہ یہ بل کیا تھا! اسمیں صرف اس بات کی اجازت طلب کیگئی تھی۔ کہ اچھوتوں کو بھی مندروں میں پوجا پاٹ کے لئے جانے دیا جائے۔ کہیئے! اس میں کونسی جور و تعدی کی بات تھی! یہ وُہ بل تھا جسکے ساتھ خود آپکی آشیرباد شامل تھی۔ وُہ بل تھا جسکا مسودہ خود وزیر اعظم نے تیار کیا تھا اور اسے خود آنجناب نے منظور کیا تھا۔ . . . . . جب بل پیش ہوا تو مسٹر راجہ گوپال اچاریہ نے اسکی مخالفت شروع کر دی اور کہا کہ اس بل کو واپس لیلو۔ ہم خود اسی مضمون کا ایک بل۔ مدراس کیلئے نہیں بلکہ مالا بار کیلئے پیش کر دینگے۔ مسٹر راجہ گوپال اچاریہ کی تقریر کا اثر یہ ہوا کہ اونچی ذات کے ہندؤں کیساتھ اچھوتوں کے نمائندوں نے بھی اس بل کی مخالفت میں وُوٹ دیئے! اور بل مسترد ہو گیا۔ . . .

ان واقعات نے مجھے تو اس نتیجہ پر پہنچنے کیلئے مجبور کر دیا کہ ہم نے ہندؤں کے وعدوں پر اعتماد کر کے پونا کے میثاق کو تسلیم کرنے میں کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ کانگریس کی زیر قیادت مخلوط انتخاب نے ہماری مدد کرنے کے بجائے کانگریس کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ہماری رہی سہی آزادی کو بھی تباہ کر دے اور خود ہمارے اپنے بھائیوں کے ہاتھوں سے ہمارا گلا کٹوا دے۔ دَوران بحث میں مَیں نے مسٹر راجہ گوپال اچاریہ سے سوال کیا کہ کیا آپنے اس بل کی مخالفت کیلئے آپ کی (مہاتما گاندھی کی) منظوری حاصل کر لی ہے! مجھے کہا گیا کہ اس بات کا جواب بعد میں دیا جائیگا۔ لیکن مسٹر راجہ گوپال اچاریہ نے اسکے جواب دینے سے عمداً پہلو تہی کی۔

مجھے امید ہے کہ آپ مدراس کی کانگریسی حکومت کے اس طرزِ عمل پر نہایت سنجیدگی سے غور فرمائیں گے اور مجھے اپنے خیالات سے مطلع فرمائیں گے۔ . . . .''

یہ خط ۵ ءراگست کو لکھا گیا تھا۔ جب ۱۱ر ستمبر تک اس کا کوئی جواب نہ ملا تو مسٹر راجہ نے بذریعہ تار یاد دھانی کرائی جس کے جواب میں ۱۴ر ستمبر کو حسب ذیل خط مہاتما جی کی طرف سے موصول ہوا۔

''. . . . . میں چاہتا ہوں کہ آپ مسٹر راجہ گوپال اچاریہ پر اعتماد رکھیں۔ انہیں اس بارے میں پوری آزادی دینی چاہئے کہ وہ معاملہ کو جس طرح بہتر سمجھیں سنبھالیں۔ اگر آپ ان پر اعتماد نہیں کریں گے تو یقیناً آپ وہی راہِ عمل اختیار کریں گے جو آپ کو بہتر نظر آتی ہے۔ میں تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ راجہ گوپال سے بڑھکر اچھوتوں کا کوئی اور بہی خواہ نہیں ہے۔ آپ ان کے پاس جایئے۔ ان سے بات کیجئے۔ اور اگر آپ انہیں اپنا ہم نوا نہ بنا سکیں تو اُنسے متفق ہو جایئے۔ میں تو یہی مشورہ دوں گا۔''

جواب ملاحظہ فرمالیا آپ نے۔ ہے نا وہی بات کہ

بوسہ جو ہم نے مانگا انگوٹھا دکھا دیا

مسٹر راجہ نے ۱۶ر ستمبر کو دوسری چٹھی کے دوران میں لکھا۔

''میں تو صرف اتنی درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان وعدوں پر ذرا سنجیدگی سے غور فرمایئے جو پران نیاگ برت کے زمانہ میں ہم سے کئے گئے تھے۔ اور جن کی آج یوں مٹی پلید ہو رہی ہے۔ وہ برت آپ نے اس لئے رکھا تھا کہ وہ کمیونل آوارڈ جس کی رو سے اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب کا حق حاصل تھا بدلوا دیا جائے۔ اور انہیں مخلوط انتخاب پر رضامند کر لیا جائے۔ ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ ان سے اچھوت پن کی لعنت دور کر دی جائے گی۔ . . . . . لیکن اگر ہمیں مندروں میں جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تو ہم ہندو کس طرح سے تسلیم کئے جا سکتے ہیں اور اگر ہم ہندو نہیں ہیں تو پھر ہمارا ہندوؤں کے ساتھ مخلوط انتخاب چہ معنی دارد! کیا یہ محض اس لئے نہیں کہ ہندو جاتی ہماری تعداد کو مسلمانوں اور دیگر فرقوں کے خلاف اپنی اکثریت قائم رکھنے کے لئے استعمال

کررہی ہے . . . . کیا آپ کا اخلاقی فرض نہیں کہ آپ اچھوتوں کے ساتھ عہد و پیمان کے معاملہ کو محض ایک سیاسی چال قرار نہ دیں بلکہ اس کو اپنے ضمیر کا مسئلہ سمجھیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ اس مسئلہ کے متعلق اپنی "اندرونی روشنی" سے مشورہ کریں گے تو آپ ذرا اور صاف صاف بات کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ اور اپنے متبعین کی ذہنیت بدلنے میں تھوڑی سی قربانی بھی فرمائیں گے۔"

مہاتما گاندھی نے ۵ راکتوبر کو اس کے جواب میں لکھا۔

"آپ کے اس خط سے تو ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ غلطی پر ہیں۔ میں راجہ گوپال آچاریہ جی کی پاس داری نہیں کر رہا۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ اچھوتوں کے معاملہ میں خود میرے جیسے مستعد ہیں۔ اس لئے مجھے تو ان پر اعتماد ہے۔ . . . . یہ مسئلہ دراصل سناتن دھرمی ہندوؤں کی قلب ماہیت چاہتا ہے یہ آہستہ آہستہ ہی ہوگا . . . . . ."

اس کے بعد مسٹر راجہ نے ۷ راکتوبر کو اپنے خط میں لکھا۔

". . . . آپ خود تو سناتنی ہندوؤں کے دل کو نرم کر نہیں سکے اور مجھ سے کہتے ہیں کہ راجہ گوپال آچاریہ جی پر اعتماد کرو۔ . . اگر اچھوتوں کو انہی کی کوششوں کے نتائج کا انتظار کرنا ہے تو انہیں قیامت تک منتظر رہنا چاہئیے۔ اس انداز سے اچھوتوں کی ہمدردی کرنا ایسا ہی ہے جیسے برطانیہ اور فرانس نے زیکوسلاوکیا کی قربانی سے یورپ میں امن قائم کرلیا ہے"

خط وکتابت اتنی ہی شائع ہوئی ہے۔ یہ ہندوؤں اور اچھوتوں کا اپنا معاملہ ہے۔ کہدیا جائے گا کہ تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ تم اس پر رائے زنی کرو۔ اس لئے ہم خاموش رہتے ہیں۔ لیکن ہیں مسلم قومیت پرست۔ متحدہ قومیت اور مخلوط انتخاب کے علمبرداروں سے اتنا دریافت کرلینے کا تو حق ہے کہ وہ ذرا بتائیں تو سہی کہ ہندو جاتی کا جب اپنے سپوتوں سے یہ سلوک ہے تو مسلمان ملیکش ان سے کیا توقع کرسکتے ہیں۔

تو بخویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری - بخدا کہ لازم آید ز تو احتراز کردن

حیرت ہے کہ جو بات "اچھوتوں" کے لیڈر کی سمجھ میں آگئی وہ امتِ وسطیٰ اور خیر الملل کے قائدینِ کرام کے ذہن میں کیوں نہیں آسکتی!

(۳) سوراجیہ کے معنی

مہاتما گاندھی سے ہزار مرتبہ لوگوں نے پوچھا کہ حضور! کبھی اتنا تو بتا دیا ہوتا کہ سوراجیہ کے معنی کیا ہیں لیکن انہوں نے آج تک بتا کے ہی نہیں دیا۔ بارے مسٹر ستی۔ تیج۔ وارے۔ پارلیمنٹری سکرٹری۔ وزیر تعلیم مدراس نے اس عقدہ کو حل کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"یہ اصطلاح درصل مہاراشٹر کی انتظامی تقسیم کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ جو دو وسیع حلقوں میں منقسم تھا۔ سوراجیہ اور مغل راجیہ۔ سوراجیہ کے معنی وہ خطہ تھا جو براہِ راست مرہٹوں کے ماتحت تھا۔ اور مغل راجیہ سے مراد وہ خطہ تھا جس پر یا تو مغلوں کا براہِ راست تسلط تھا یا وہ مغلوں کا باجگزار تھا" (مدراس میل۔ ۲۹ر ستمبر ۱۹۳۸ء)

معلوم ہوگئے آپ کو سوراجیہ کے معنی۔ یعنی ایسا نظام سلطنت جو براہِ راست ہندوؤں کے ماتحت ہو۔ بندے ماترم کا نعرہ اسوقت کی ایجاد ہے جب بنگال کے ہندو مسلمان حکمرانوں کی سلطنت مٹانے کے درپے تھے (خواہ ایک ناول میں ہی سہی)۔ یہ آج متحدہ قومیت کا قومی ترانہ ہے۔ اور سوراجیہ اسوقت کی ایجاد ہے جب مرہٹے مغل بادشاہوں کے تسلط سے آزاد ہو کر خود مختار ہونے کی سازشیں کر رہے تھے۔ یہ متحدہ قومیت کا قومی نصب العین ہے۔" ان دونوں کے اجتماع کا نام ہے ـــــ مکمل آزادی ـــــ

(۴) زمین۔ آسمان کا فرق

نوجوانوں کے ایک مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے ڈاکٹر ٹیگور نے نصیحت کی کہ

"میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی زمین سے محبت کرو۔ اور ہر اس چیز سے جو اسپر ہے" (انیسین۔ ۱۱/۴ ۳۸)

لیکن ایک مردِ مومن کا نوجوانوں کے نام یہ پیغام ہے کہ

عقابی رُوح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں۔ نظر آتی ہے اسکو اپنی منزل آسمانوں میں (اقبال)

اسے کہتے ہیں زمین،، آسمان کا فرق۔ جس کے پاس قرآن ہیں۔ اس میں بلند نگہی کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔

"الفرقان" کا مجددِ الفِ ثانی نمبر

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات قدسی صفات پر سرزمین ہند جس قدر بھی ناز کرے کم ہے آپ پیغمبر نہ تھے لیکن آپکا انداز دعوت و اصلاح پیغمبرانہ تھا، آپکے دورِ زندگی میں ہندوستان کے مذہبی و سیاسی حالات قریب قریب بالکل ویسے ہی تھے جن میں آج اسلامیانِ ہند گھرے ہوئے ہیں ضرورت ہے کہ حضرت مجدد صاحب نے جس ربانی ہدایت اور انشراحِ صدر سے کام لے کر ان نامساعد حالات کا مقابلہ کیا تھا آج بھی اس روشنی راہ کو فراہم کر کے ملتِ اسلامیہ کا تحفظ اور شریعتِ الٰہیہ کا احیار کیا جائے۔!

انھیں حالات کے پیشِ نظر ادارۂ الفرقان نے "مجدد نمبر" شائع کیا جانا طے کر لیا جو تقریباً ڈہائی سو صفحات پر نہایت آب و تاب کے ساتھ آخر رمضان المبارک میں شائع ہو گیا اور اس نے نہایت سرگرمی کے ساتھ اس کی تیاری کی ہے اور الحمد للہ کہ ملک کے اکابر علماء و مشائخ مشاہیر اہل قلم و اربابِ تحقیق کے بلند پایہ مقالات اور محققانہ مضامین کا غیر معمولی سرمایہ فراہم ہو گیا ہے +

اعلیٰ اڈیشن کی قیمت عہ معمولی اڈیشن کی قیمت عمر

مستقل خریداروں کو مفت دیا جائیگا۔ نئے خریداروں کو بھی مفت دیا جائے گا بشرطیکہ وہ چندہ خریداری بہت جلد دفتر کو روانہ کر دیں۔ (چندہ سالانہ الفرقان اعلیٰ ایڈیشن تین روپے، معمولی ایڈیشن ڈھائی روپے)

مینیجر "الفرقان" بریلی۔ یوپی

Printed at the Javved Press, Delhi. Published by Z. A. K. from Tolue Islam Office, D